دار العلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم حقانیہ
مدیر مسئول: مولانا سمیع الحق
جمادی الاول ۱۴۱۸ھ ستمبر 1997ء

۱

فہرست مضامین

24/9/97

ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک

جمادی الثانی ۱۴۱۷ھ تا جمادی اول ۱۴۱۸ھ جلد نمبر 32 اکتوبر تا ستمبر ۱۹۹۷ء

مضامین کی فہرست موضوعات کے لحاظ سے سلسلہ واران صفحات سے دی گئی ہے جو ہر صفحے کے نیچے لکھے ہوتے ہیں، یہ فہرست جلد کے آغاز میں لگوائی جائے ۔ مدیر

نقش آغاز (اداریے) مدیر (راشد الحق سمیع)

* * * * * * *

قرآن، سیرت، عبادات و جدید مسائل

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد ــــ ۴۲ ـ

شمارہ ــــ ۱۲

جمادی الاول ـ ۱۴۱۸ھ

ستمبر ـــــ ۱۹۹۷ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر	نگران	مدیر اعلیٰ
حافظ راشد الحق سمیع	حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ	حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

ناظم شفیق فاروقی

اس شمارے کے مضامین

کمپیوٹر کمپوزیٹر ـ سجاد خان

ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ سرحد، پاکستان ـ فون :- 630340-(0923)

سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ / ۱۵ روپیہ سالانہ / ۱۵۰ روپیہ، بیرون ملک ۲۰ امریکی ڈالر

پبلشر ـ مولانا سمیع الحق مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ـ منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز

حافظ راشد الحق سمیع

معصوم سفیران امن کا قتل عام اور عالم اسلام کی بے حسی

گذشتہ ماہ افغانستان میں تحریک طالبان کے معصوم اور بے گناہ سفیران امن کے ساتھ مزارشریف میں بین الاقوامی سازش کے ذریعہ جو بہیمانہ سلوک کیا گیا ۔ تاریخ انسانی میں اس بدترین سفاکی کی نظیر نہیں ملتی ۔ مذاکرات کے میز سے صلح کے نام پر بلائے گئے وفد کے ارکان کو بندوقوں کے سنگینوں کی نوک پر زبردستی اٹھاکر شہر کے مختلف حصوں میں لے جاکر قتل کردیا گیا اور ہزاروں نہتے طلبہ کو تاجکستان کے بارڈر کے قریب لے جاکر فائرنگ سکواڈ کے ذریعے لائن میں کھڑا کرکے گولیوں سے بھون ڈالا گیا ۔ ان میں تحریک طالبان کے روح رواں اور ایک عظیم فرزند اسلام میدان سیاست وفراست کے شہسوار بھی شہید کردیئے گئے ۔(فی الحال ان کا نام لینا خلاف مصلحت ہے)۔ ان طلباء کو کنٹینرز میں سوار کرکے یہ کہا گیا کہ آپ لوگوں کو آزاد کیا جارہا ہے ۔ ان بے چارے طلباء کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کو یہ جلاد دراصل قید حیات سے انتہائی سفاکی بہیمت اور درندگی کے ساتھ آزاد کررہے ہیں ۔

اس تازہ المیہ کی طرح ماضی میں بھی بڑے بڑے مظالم ڈھائے گئے اور کسی کو خبر بھی نہ ہوتی ، جیسے ہرات اور کابل کے اطراف میں ہزاروں شہداء کی اجتماعی قبریں دریافت ہوئی ہیں ۔ جن کو بلڈزوروں کے ذریعے زندہ درگور کیا گیا تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس بار پردہ ظلم کو پردہ غیب سے دو زخمی معصوم طلبہ کے ذریعے چاک کردیا اور گولیوں کی بارش میں سے ان زخمی طلبہ کو نکالا اور یہ معصوم لاشوں کی پشتوں سے اٹھ کر انتہائی مشکلات سے دوچار ہوکر کابل پہنچے اور انہوں نے اخبارات اور دنیا کو یہ داستان خون آشام سنائی ۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اس عظیم حادثہ فاجعہ پر اقوام متحدہ ، انسانی حقوق امریکہ ، یورپ اور پاکستان سمیت کسی نے آواز اٹھائی اور نہ کسی بھی جگہ سے صدائے احتجاج بلند ہوئی ، نہ ہی کسی کی آنکھ نم ہوئی اور نہ ہی کسی کے قلب وجگر سے دھواں اٹھا ، اور نہ ہی ہمارے ملک کے دینی اور اسلامی صحافت کے علمبرداروں (سوائے معدودے چند کے) نے اس پر کچھ" خامہ فرسائی" کی ۔ اور وہ لوگ ابھی تک وسیع البنیاد حکومت کی رٹ لگا رہے

ہیں ۔ اور ان کی یہ خواہش ہے کہ ان (افغان لیڈرز) درندوں کو جن کے آستینوں اور دامنوں اور قباؤں ، جبوں اور عماموں سے ابتک خون ٹپک رہا ہے کو دوبارہ کسی نہ کسی طور پر معصوم طلبہؒ (تحریک طالبان) پر مسلط کردیا جائے بہرحال اس ظلم عظیم پر نہ آسمان رویا اور نہ زمین پھٹی ۔ ہماری عالم کفر سے تو کوئی شکایت نہیں بنتی کیونکہ وہ تو ہمارے وجود کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر تلا ہوا ہے ۔ البتہ عالم اسلام اور خصوصاً پاکستانی حکومت سے یہ گلہ ضرور ہے کہ انہوں نے جبکہ طالبان حکومت کو باقاعدہ تسلیم کرلیا ہے تو پھر اس ظلم عظیم پر انہوں نے کیوں کسی احتجاج یا ردعمل کا اظہار نہیں کیا ۔ آیا اسلام کے ہزاروں حقیقی فرزندان جو صلح اوردین ومذہب کے نام پر تہ تیغ کیے گئے کیا یہ لاوارث اور بے ننگ و نام تھے ؟ ان کا کسی مذہب ، کسی برادری سے کوئی تعلق نہیں تھا ؟ ۔ آیا ان حالات میں وہ وقت نہیں آپہنچا ہے کہ ہم عالم اسلام کے" بے کسی کے مزار" پر آخری مرتبہ فاتحہ پڑھ لیں ۔

ع مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

انشاء اللہ رب العالمین ان معصوم طلبہ کے مقدس خون کی لاج ضرور رکھے گا ۔ اور اس پاک خون سے جو چراغ حق جل اٹھے ہیں انشاء اللہ یہی دلیل سحر ثابت ہونگے ۔ اس کی روشنی اور تنویر سے ظلمت کدہ عالم کا چپہ چپہ منور ہوکے رہیگا ۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے طالبان کو ایک بار پھر اپنی نصرت سے سرفراز کرکے مزار شریف میں پہنچا دیا ہے ۔ بہت جلد یہ خطہ بھی پرچم اسلام کے سایہ امن وعافیت میں آجائے گا ۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے ہم ان بہادر سپوتوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں ۔ یہ فقیر منش طائفہ اور بوریا نشین جماعت جو کہ دنیوی اعزازات سے بے نیاز ہے اور پھر کیوں نہ ہوں شہادت کی خلعت فاخرہ کے ساتھ جنت کی ابدی نعمتیں ان کے لیے چشم براہ ہیں اور جن کیلئے قرآن پاک ان کلمات عالیہ سے استقبال کررہا ہے ۔

"یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"

****

عبرت گاہ عالم کا ایک سبق آموز واقعہ

اس عبرت کدہ عالم میں انسانی ہستی کی ناپائیداری اور بے ثباتی کے ہم روز مختلف عبرت آمیز مناظر دیکھتے ہیں اور پھر بھی اس کے سحر کے فسوں کے اسیر ہیں ۔ اور چند محدود مہ سال اور گنتی کی گھڑیوں اور لمحوں کو ہم اپنی متاع کل سمجھتے ہیں ، اور یہ ہماری خام خیالی ہے کہ اس معمورۂ

دنیا میں انفاس عمررواں کا یہ کارواں یونہی دائمی طور پر رواں دواں رہے گا اور کبھی کسی بھی جگہ ٹھہرے گا نہیں ۔ پھر زندگی کے موج میلوں میں یہ خاکدان سفال ایسا رل مل جاتا ہے کہ اپنی ہستی کی ناپیداری و بے ثباتی کمزوری و ناتوانی الغرض ہر چیز کے خیال سے بیگانہ ہوجاتا ہے اور پھر اچانک کسی روز سنگ اجل سے ٹکرا کر شکست وریخت اور فنا سے دوچار ہوجاتا ہے ۔ پھر دھیرے دھیرے یہ حضرت انسان بھی اجزائے عالم کے اجزائے پریشان میں تبدیل ہوجاتا ہے ۔ تاآنکہ خلاق ازل ان اجزاء کو اپنی قدرت کاملہ سے اکٹھا کرکے اس کو دوبارہ اسی ہی احسن تقویم میں تخلیق فرمادیں ۔

"افعیینا بالخلق الاول ۔ بل ھم فی لبسٍ من خلقٍ جدید" اور

ع نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

موت وحیات کا یہ ابدی کھیل تو روزاول ہی سے جاری ہے اور ابتداہی سے شاخ ہستی بجلیوں کی زد میں ہے ۔ اور تا صبح قیامت یوں ہی یہ سلسلہ جاری رہیگا اور انفاس کی یہ آری جو مسلسل شجرزندگی کو کاٹ رہی ہے ، یوں ہی چلتی رہیگی ۔ فلسفہ زندگی کی اس گتھی اور گورکھ دھندے کو قافلہ گرہ کشایان حکمت وفلسفہ اور جماعت دانشوران مابعدالطبیعیات والھیات سلجھاتے سلجھاتے وہ خود اس کے پیچ وخم میں الجھ کررہ گئے اور آج تک فضائے حیرت وتحیر میں ان کی ارواح بھٹکتی پھر رہی ہیں ۔ ع کارواں تھک کر فضا کے پیچ وخم میں رہ گیا

اور بقول اقبال" : ہر شے مسافر ہر چیز راہی کیا چاند تارے کیا مرغ وماہی

قلم اٹھایا تھا ایک بڑے ہی عبرت آمیز اور سبق آموز حادثے پر لکھنے کیلئے جس پر آج دنیا بھر میں "نوحہ خوانی" ہورہی ہے اور ماتم وشیون کا ایک لامحدود سلسلہ جاری ہے ۔ یہ انگلستان کی پرنسز آف ویلز لیڈی ڈیانا کی اچانک اور حسرت خیز موت ہے۔ آج سے سترہ سال قبل جس کی شادی کی تقریب کو دنیا کی سب سے بڑی تقریب قرار دی جارہی تھی اور پوری دنیا میں ایک غلغلہ تھا ، اس شاہی جوڑے کی شادی کا لیکن چشم فلک اور ہم سب نے اپنی آنکھوں سے یہ عبرت آمیز منظر دیکھا کہ پھر اسی شہزادی کا بڑا جنازہ بھی ہماری آنکھوں کے سامنے گزرگیا ۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار) اور وہی بلنگھم پیلس (شاہی محل) ماتم سرا میں تبدیل ہوگیا

ع جہاں بجتی ہے شہنائی وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

جس پر ساری دنیا کی میڈیا اور پریس سراپا احتجاج والم بنا ہوا ہے ۔ جو پچھلے دنوں پیرس کے ایک سرنگ میں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ کار حادثے میں موت کی اتھاہ گہرائیوں اور غار میں ہمیشہ کیلئے چلی گئی ۔ شہرت ، دولت ، شاہی جاہ وجلال ، ملکوتی ، حسن وجمال اور اسی طرح وودو الفھد کا مال ومتاع

اور ان تمام چیزوں سے ملک الموت مرعوب نہ ہوسکا۔ اور کاتب تقدیر نے جو فیصلہ جس وقت کیلئے کیا تھا وہ ہو کے رہا۔ اور آن واحدہ میں ایک عالم کے دلوں پر حکمرانی کرنے والی شہزادی گور خاک تیرہ میں دفن ہوگئی۔

آدمی کا جسم کیا ہے جس پہ شیدا ہے جہاں ایک مٹی کی عمارت ایک مٹی کا مکاں
خون کا گارا بنایا اینٹ جس میں ہڈیاں چند سانسوں پر کھڑا ہے یہ خیالی آسماں
موت کی پرزور آندھی جس دم آکر ٹکرائے گی یہ عمارت گرکر خود خاک میں مل جائیگی

دیکھئے دنیا کی بے ثباتی اور بے وفائی کی ایک جھلک۔ آب و گل کی یہ مصنوعی دنیا جسے ہم حقیقت سمجھتے ہیں سوائے سراب اور مجاز کے اور کیا ہے؟ ؎

تھی یہ حقیقت مجاز اور اب کھلا جاکے راز سب ہے فریب آب و گل حسن و جمال کچھ نہیں

یہاں پر ڈیانا کی " شخصیت" موضوع بحث نہیں۔ کیونکہ ان کے " کردار" اخلاق باختگی اور " طرز زندگی" کے بارے میں ایک دنیا جانتی ہے لیکن یہاں پر ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ اہم تاریخی شواہد اور واقعات کی پے درپے کڑیاں ملانے سے یہ بات روزروشن کی طرح عیاں ہوتی چلی جارہی ہے کہ پرنسز ڈیانا اسلام کا کافی عرصہ سے مطالعہ کر رہی تھی اور عنقریب ہی ستمبر کے دوسرے ہفتہ میں وہ ایک مصری مسلمان سے باقاعدہ نکاح کرنے والی تھی تاکہ وہ اسلام کی بتائی ہوئی حقیقی ازدواجی زندگی کے مطابق زندگی بسر کرکے سکون پاسکے۔ اگر ایسا ہوجاتا تو اس کا یہ اقدام کوئی معمولی نوعیت کا نہ ہوتا۔ بلکہ یہ عالم عیسائیت اور انگلستان کے شاہی خاندان اور کلیسا پر ایک ضرب کاری ہوتی اور انگلستان کے بادشاہ پرنس ولیم کی ماں ایک مسلمان خاتون ہوتیں اور لاکھوں، ہزاروں کے " آئیڈیل" لیڈی ڈیانا کے اسلام قبول کرنے سے ان پر بھی خوشگوار اثرات پڑتے اور عالم عیسائیت میں ایک تھلکہ مچ جاتا۔ یہ قیاس آرائی لاہور کے ایک " سرکاری مولوی" کے کہنے پر ہم نے نہیں لکھی بلکہ عالم عرب اور خود مغرب کے انصاف پسند معتبر ذرائع ابلاغ نے اس کی تصدیق کی ہے

رواداری اور عدم تعصب کا ڈھنڈورا پیٹنے والی قوم مغرب نے مذہبی تعصب کا جو بدترین مظاہرہ کیا، یہ داغ ان کے سابقہ تعصبات کیطرح ان کے دامن پر ہمیشہ کیلئے چمکتا رہے گا۔

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ مغرب فرد کی شخصی اور نجی زندگی کی آزادی کا ہروقت واویلا کرتا چلا آرہا ہے لیکن خود اس کے پریس اور میڈیا نے جس طرح شخصی آزادی کی دھجیاں بکھردیں بلکہ ڈیانا کے قتل میں یہی پریس اور صحافی براہ راست پوری طرح ملوث ہیں، جنہوں نے حادثہ کے بعد بھی بربریت اور سفاکی کی ہر حد اور ہر مثال کو توڑ دیا، اب یہی مجرم پریس، صحافی اور شاہی خاندان " ماتم گساری"

میں سب سے آگے نظر آرہے ہیں۔

جو دیر سے روتا رہا لاشے سے لپٹ کر لوگوں سے سنا ہے مرا قاتل بھی وہی تھا

مغرب کی اس دوھری منافقت اور دوغلی پالیسی کا ہم نے بچشم خود مشاہدہ کرلیا ہے، لیکن پھر بھی اپنے آپ کو غیر متعصب اور بے گناہ ثابت کرنے کیلئے مختلف حربے استعمال کررہے ہیں۔ کل اسکو ایک" سیکس سمبل" اور ایک فاحشہ کی روپ میں پیش کیا جارہا تھا اور آج ایک" مقدس دیوی" کی شکل میں اس کی موت پر" ماتم کناں" ہیں۔

خنجر پہ کوئی چھینٹ نہ دامن پہ کوئی داغ تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

****

اظہار تشکر بنام قارئین

" الحق " کے ماہ اگست کے پاکستان کی پچاس سالہ مناسبت سے ہم نے جو خصوصی نمبر شائع کیا تھا پورے ملک سے خطوط کے ذریعے سے دادو تحسین اور تہنیتی پیغامات بھیجنے کا لاتناہی سلسلہ چل رہا ہے ہم شکریہ ادا کرتے ہیں ان تمام محبان دین ملک وملت کا جنھوں نے ہماری اس کوشش کو نہ صرف سراہا بلکہ قدر کی نگاہ سے اس کو دیکھا۔ ہماری یہ چھوٹی سی کوشش جو انتہائی عجلت اور بے سروسامانی وبے بضاعتی کے باوجود ہم سے ہوسکی ۔ادارہ ان تمام کرم فرماؤں اور اکابرین امت اور مرسلہ نگاروں کا تہہ دل سے شکرگزار ہے، جنھوں نے ہمیں عزت افزائی اور دعاؤں سے سرفراز فرمایا تاہم چند مخلص مہربانوں نے زبردست تنقید سے بھی ہمیں نوازا ہے۔ اور انہوں نے خاص نمبر کے ایک مقالہ پر کافی گرفت کی ہے۔ ادارہ نے تمام مکاتب فکر کے اصحاب کو دعوت دی تھی اور ہر مقالہ نگار نے اپنے نظریات کے مطابق مضمون بھیجا ہے۔ زیر نظر شمارہ میں ہم خاص نمبر کے بارے میں ملے جلے رد عمل کا اظہار افکار وتاثرات کے عنوان سے شائع کررہے ہیں ۔باقی ہم ہر قسم کی تنقید اور تبصرے کو نہ صرف خوش آمدید کہتے ہیں بلکہ اسکو من وعن شائع کریں گے۔ چشم ماروشن دل ماشاد

****

حضرت مولانا عبدالرشید ارشد ایڈیٹر ماہنامہ " الرشید" کو صدمہ

ہمارے بہت ہی محترم بزرگ جناب مولانا عبدالرشید ارشد صاحب مدظلہ کی اہلیہ گذشتہ دنوں کافی عرصہ علیل رہنے کی بعد خالق حقیقی سے جاملیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) مرحومہ کو کینسر کا جان لیوا مرض لاحق تھا۔ علاج معالجے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ لیکن اجل کے سامنے چارہ گری بے سود رہی۔

؎ چوں قضا آید طبیب ابلہ شود آں دوا در نفع خود گمرہ شود

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

حضرت مولانا ہمارے بہت ہی مشفق ومہربان بزرگ ہیں۔ آپ ملک کے قابل فاضل، مصنف ومؤلف اور ماہنامہ "الرشید" کے ایڈیٹر ہیں۔ مشاہیر امت" پر آپکی مرتب کردہ سوانحی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اور خصوصاً امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح عشاق میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس حادثہ پر صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دارالعلوم، ادارہ" الحق" اور ہم ان کے ساتھ اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔ دارالعلوم میں مرحومہ کیلئے فاتحہ خوانی کی گئی۔

ع آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

* * * * * * *

عیسائی راہبہ آنجہانی مدر ٹریسا کی وفات۔

پچھلے دنوں ہندوستان میں مشہورومعروف نوبل انعام یافتہ مدر ٹریسا انتقال کرگئیں۔ نے عمر بھر عیسائیت کی ترویج میں زبردست حصہ لیا اور اپنے آپ کو اس کیلئے وقف کیا۔ مدر ٹریسا جو بظاہر ایک فلاحی وسماجی ورکر خاتون تھیں لیکن حقیقت میں مشنریز کیلئے کام کرتی رہیں، اور ہندوستان میں ھزاروں افراد کو اپنے تبلیغ کی بدولت عیسائی بنایا۔ اور پھر ان کے اسی کارنامے کے پیش نظر ان کو نوبل انعام سے نوازا گیا۔ ۱۲ ستمبر کو کلکتہ میں پورے پروٹوکول کے ساتھ ان کو دفن کیا گیا۔ جس میں دنیا بھر کے سربراہان مملکت نے شرکت کی۔ ہندوستان میں کئی ہندو پارٹیوں نے ایک عیسائی مبلغہ کو اس طرح کا پروٹوکول دینے پر احتجاج بھی کیا ہے۔ اور کہا جارہا ہے کہ اس راہبہ نے درحقیقت انسانیت کی خدمت کے نام پر عیسائیت کا پرچار کیا۔

* * * * *

وفیات

گذشتہ دنوں جمعیت علماء اسلام فیصل آباد ڈویژن کے امیر (سابق امیر جمعیت علماء اسلام پنجاب) جناب مولانا نصیرالدین نقشبندی کو پے درپے حادثات پیش آئے۔ سب سے پہلے ان کی ماجدہ والدہ کا انتقال ہوا اور پھر ان کے ماموں فوت ہوئے اور پھر ان کا نواسا خالق حقیقی سے جاملے۔ ان پے درپے امتحانات وحوادث کا تصور بھی مشکل ہے۔ اسکے ساتھ "الحق" کے ایک معزز قاری جناب خالد محمود فاروقی کے والد محترم بھی وفات پاچکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو غریق رحمت کرے۔ اور ان کے پسماندگان کو اس جانکاہ حادثہ پر حوصلہ بخشے۔ ادارہ جمعیت علماء اسلام ان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

از: جناب مولانا سمیع الحق صاحب

بسلسلہ پچاس سالہ تقریبات آزادی پاکستان

"گولڈن جوبلی" یا ناشکری اور نقض عہد کے پچاس سال
انگلینڈ میں مسلمانوں سے خطاب

قائد جمعیت علمائے اسلام مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم دارالعلوم حقانیہ پچھلے دنوں برطانیہ سمیت یورپ کے کئی ممالک کے دورہ پر گئے۔ دورہ کے اختتام پر علماء، دوستوں اور مخلصین برطانیہ کے اصرار پر تین دن برطانیہ کے شہروں ھڈر، سفلیڈ، لیڈز، مانچسٹر اور برمنگھم میں بعض استقبالیہ اجتماعات سے خطاب بھی کیا۔ شہر لیڈز کے اسلامک سنٹر میں مولانا کے ۲۰ اگست ۱۹۹۷ء کے خطاب کو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے نقل کرکے شائع کیا جارہا ہے۔ جسے مولوی امتیاز علی متعلم دارالعلوم حقانیہ نے قلمبند کیا ہے۔ اگلے شماروں میں باقی تقاریر بھی شائع کی جائیگیں، انشاء اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم o (ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ ۔ وھو فی الآخرۃ من الخسرین o) (آل عمران)

میرے محترم علماء کرام حافظ عبدالمجید صاحب، مولانا محمد اکرم صاحب، مولانا محمد عرفان صاحب، مولانا محمد حسن صاحب اور میرے معزز اور مسلمان بھائیو! میں آپ کا انتہائی شکرگذار ہوں کہ آپ ایک ناچیز طالب علم کی خاطر یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ عصر کے بعد کا وقت بڑا قیمتی ہوتا ہے لیکن ایک مہمان کی حوصلہ افزائی کیلئے آپ نے شفقت فرمائی اور جن حضرات نے مجھے یہاں آنے کا موقع دیا، ان کو بھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ اپنے دوستوں سے، علماء سے ملاقات کا ایک موقع فراہم کیا۔ میں دس بارہ سال پہلے دو تین دن کے لیے انگلینڈ آیا تھا، لیکن اس وقت بھی ادھر آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اب ایک لمبے سفر کے دوران انگلینڈ راستے میں پڑتا تھا تو ان احباب کو اطلاع ہوئی، انہوں نے کہا کہ دو تین دن آپ ضرور ٹھہریں۔ میری خود بڑی خواہش ہوتی ہے کہ اس کفر کی سرزمین پر اپنے مسلمان بھائیوں سے ملاقات ہو اور جو حالت زار ہے۔ مسلمانوں کی غیر مسلم دنیا میں یا جہاں مسلمان اکثریت سے ہیں اس کے بارے میں آپ سے تبادلہ خیال ہو

اور آپ کے حالات سے آگاہی ہو۔

غیر مسلم ممالک میں حفاظت دین کا غیبی نظام:-

یہ غنیمت ہے۔ کہ ان غیر مسلم ممالک میں حفاظت دین کا غیبی نظام قائم ہے۔ آپ حضرات کو یہاں اللہ تعالیٰ نے موقع عطافرمایا ہے تو مجھے انتہائی خوشی ہورہی ہے۔ میں جہاں جاتا ہوں وہاں مسجدیں ہیں اور اس سے وابستہ حضرات ہیں، اسلامی سنٹرز ہیں اور درس وتدریس کا نظام ہے۔ بچوں کے قرآن کریم اور حفظ اور تجوید اور دینی تعلیم کی بھی آپ کو فکر ہے۔ اور اللہ نے یہ غیبی نظام چلا لیا ہے کہ اب آپ یہاں اپنے آپ کو دینی لحاظ سے اجنبی بھی محسوس نہیں کرتے، نہ آپ یہ عذر کرسکتے ہیں کہ یااللہ ہمارے یہاں کوئی سنٹر نہیں تھا، کوئی علماء نہیں تھے، مدرسے نہیں تھے، ہم اپنی اولاد کا کیا کرتے۔ تو جہاں جہاں مسلمان جارہے ہیں۔ ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اتمام حجت فرماتے رہتے ہیں۔ (انا نحن نزلنا الذکروانالہ لحٰفظون) اللہ تعالیٰ ہی حفاظت کے اسباب فراہم کرتا ہے مسلمانوں کے ملکوں میں بھی دین کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں۔ حکومتوں کو یہ توفیق نہیں مل رہی۔ دین کا سارا سلسلہ بڑے عروج کے زمانے میں بھی مسلمانوں کے ذریعے اللہ نے خود چلایا در بڑی بڑی مشنریاں اور ادارے اور اکیڈمیاں اور یونیورسٹیاں حکمران اور کروڑپتیوں کے مرہون منت نہیں بنایا۔ بلکہ اللہ نے اس دین کو غریبوں، اہل خیر مسلمانوں کے ذریعے سے یہ سلسلہ خیر چلا رہا ہے آپ سارے عالم اسلام میں دیکھیں خالص دین پڑھنے پڑھانے والی اور اس کی حفاظت کرنے والے وہ حکومتیں نہیں ہیں۔ حکمران نہیں ہیں۔ وہ سب ملکر چاہتے ہیں کہ یہ سلسلہ کہیں درہم برہم ہوجائے۔ کافروں کے اشاروں پر، لیکن ہم کیا سوچتے ہیں۔ اور اللہ کیاچاہتا ہے۔ میں چند دن پہلے اس لمبے سفر میں قرطبہ اور غرناطہ بھی گیا تھا۔ جو ہماری تاریخ کا ایک عبرتناک باب ہے۔

جامع قرطبہ کی حالت زار عالم اسلام کا عبرتکدہ:-

جامع قرطبہ ہماری تاریخ کی ایک بہت بڑی مسجد ہے۔ جس میں علامہ ابن حزم امام قرطبی ابن رشد اور اس طرح کے ہزاروں علماء محدثین، مفسرین گزرے ہیں۔ مسلم شریف اور بڑے بڑے کتابوں کے شارح علامہ قرطبی اور علامہ زہراوی جو ہمارا بہت بڑا سائنسدان ہے۔ اسی طرح سینکڑوں علماء اور ابن خلدون جیسے لوگ وہاں درس وتدریس کرتے تھے، وہاں بیٹھتے تھے۔ وہاں کے محرابوں میں نمازیں پڑھتے تھے۔ آج دنیا بھر میں عالم اسلام میں ان علماء کے پاس ان کے اصل

ذخیرے انہی لوگوں سے ہمیں ملے ہیں تو وہاں دروازے کے باہر ہمیں دیکھتے ہی ہمارے شکل شباہت سے وہ کچھ سمجھ گئے۔ کہ یہ مولوی ٹائپ کے لوگ ہیں۔ اور یہود نصاریٰ کی ننگ تڑنگ عورتوں کا وہاں بازار گرم تھا۔ بے حیائی کا میلہ پوری مسجد میں لگا تھا۔ عیسائیوں سے کافروں، سے برے اور فحش حرکات ہورہے تھے ،اور قصداً کرتے تھے کہ یہ مسلمانوں کے زخموں پر نمک چھڑکنا ہے۔ پولیس نے ہم سے کہا یہاں نماز نہیں پڑھنی ۔ آپ نے یہاں سجدہ نہیں کرنا ۔ میرے کچھ دوست گئے تھے ۔ مولانا تقی عثمانی صاحب انہوں نے لکھا تھا کہ ہم نے نماز پڑھ لی میں نے کہا شاید ایسا ہی موقع ہوگا۔ محراب کے قریب تو وہ جھمگٹا لگائے رکھتے جب تک میں ادھرادھر گھومتا میرے جو دوتین ساتھی جو میرے ہم سفر تھے تو کچھ سپاہی ہمارے ٹوہ میں لگے رہتے تھے ۔ آگے پیچھے ہوتے کہ یہ کہیں سجدہ نہ کریں یعنی اللہ کے بارگاہ میں کوئی سربسجود نہ ہوجائے ۔۔ مسجد ہماری وراثت ہے ، پہلی صدی میں اس کی بنیاد رکھی گئی ۔ ساتھ آٹھ سو برس وہ نغمۂ توحید سے گونجتی رہی لیکن وہ اتنے متعصب اور ظالم تنگ نظر لوگ ہیں ، ان سے یہ برداشت نہیں ہوتا کہ اس میں کوئی شخص سربسجود ہوجائے اور اس کو بالکل ننگی ننگی تصویروں سے ، بے حیائی کے مجسموں سے، بلکہ عیسائیت کی پوری تاریخ کوننگی کرکے اسے یہاں سجا رکھا ہے ۔ مسجد کا حلیہ تبدیل کرنے کی بے پناہ کوشش کی ہے ، حتیٰ کہ بیچوں بیچ میں چرچ بنادیا ۔ دیواریں توڑپھوڑ کر مسجد کی ھئیت بدلنے کی سعی کی مسجد کی حیثیت تو بہرحال ایسی تاریخی مسجد ہے کہ نہیں بدل سکتی ہے ۔ چاروں طرف عیسائیت ، مریم اور عیسیٰ اوپر تمام تصاویر جوآپ دیکھتے رہتے ہیں ان کے چرچوں میں خاص طور سے وہ محراب جو ہماری خواہش تھی کہ نماز پڑھیں گے وہاں تو بے حیاننگی تڑنگی عورتوں اور جوڑوں کا ایک جھرمٹ اور ہنگامہ تھا ۔ ہرکافر سیاح اس محراب میں تصویر اتروانا چاہتا تھا خاص طور سے اس محراب کو نشانہ بنایا ہوا تھا یعنی وہ اپنی حمیت اور اپنی غیرت کو تسکین دینا چاہتے تھے کہ ہم نے مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا ۔ شرم کی بات یہ ہے کہ نام اب بھی مسجد کا استعمال کرتے تھے کہ لاکھوں ڈالر سیاحوں کے بٹور سکیں تو مجھے وہاں بے حد دکھ ہوا اور یہ سب ہماری شامت اعمال کا نتیجہ ہے ۔

جامع قرطبہ کے عوض یورپ میں چرچ مسجد بن رہے ہیں :-

اس دور میں زوال ایسا ہی ہونا تھا لیکن جب میں نے یہاں آکر دیکھا تو ہر جگہ مسجدیں ہیں ، ہر جگہ چرچ ۔ اللہ نے مسجد بنادی دیکھو اللہ اپنا کام کررہا ہے ۔ وہ ہماری ایک مسجد میں ہمیں نماز پڑھنے سے روک رہے تھے ۔ وہاں ایک دیوار کے سایے میں میں نے چپکے سے ساتھیوں سے کہا کہ ان خبیثوں کی تم نگرانی کرو میں نے نماز پڑھنی ہے ۔ تو اللہ نے مجھے توفیق دی اور دورکعت میں

نے پڑھ لئے یہاں آکر دل میں کہا تم وہاں نماز کیلئے تو ہمیں روکتے ہو لیکن اللہ نے ایسا غیبی نظام بنایا ہے کہ آپ چند ٹکوں کی خاطر اپنے چرچ خود فروخت کر کے مسجد بنوانے لگے ہو۔ توحید کے لیے آباد کروایا ہو۔ یعنی تقریباً دوہزار مسجدیں اللہ نے برطانیہ میں آباد کروائی ہیں اور سنا ہے کہ عموماً چرچ تھے۔ وہ چرچ بیچ بیچ کر مسلمانوں کے لیے توحید، نماز، مسجد اور تعلیم کا موقع فراہم کررہے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے غیبی نظام ہے کہ وہ مسخ ہوگئے وہ نہیں سمجھتے کہ عبادت گاہ کی کیا اہمیت ہوتی ہے اور اس کو بیچنا چاہئیے یا نہیں تو ایک طرف اگر وہ سلسلہ چل رہا ہے تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سینکڑوں، ھزاروں عبادت خانوں کے دروازے کھول دئیے، کچھ دیر پہلے میں دارالعلوم بری بھی گیا تھا، بری میں بہت بڑا دارالعلوم اللہ نے بنایا۔ اسی طرح یہاں بے شمار دینی ادارے اور مدرسے ہیں۔ جب مجبوراً آپ آرہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تحفظ دین کے مواقع فراہم کئے کہ اپنے اولاد کی فکر کرو، مستقبل کی فکر کرو تاکہ آپ یہ نہ کہہ سکیں کہ اس معاشرے میں ہم کیسے رہ سکتے تھے۔ **اقلیتی مسلمانوں کی نازک ذمہ داری:۔**

بہرحال مجھے بڑی خوشی ہوئی، اللہ اس سلسلے کو اور ترقی دے اور حفاظت فرمائے۔ ہم ملک میں رہیں یا باہر کہ اپنے دین کو عبادات کو اعتقادات کو اخلاق کو تہذیب وتمدن کو سب کو سنبھالنا ہے۔ دین صرف نماز کا روزے کا اور تلاوت کا نام نہیں، دین ایک مکمل نظام حیات ہے۔ اس میں جس طرح نماز، روزہ، زکوۃ، تعلیم اور قرآن یہ ضروری ہے اسی طرح اس کے سماجی زندگی کو، اخلاقی زندگی کو، سیاسی زندگی کو، معاشی زندگی کو اس سارے ڈھانچے کو آپ نے تحفظ دینا ہے، ہر جگہ تحفظ دینا ہے۔ پاکستان میں مصر اور شام میں بھی لیکن آپ لوگ بہت نازک حالات سے گزر رہے ہیں۔ آپ کو یہ سارا کام کرنا ہے جو جہاد سے بڑھکر جہاد ہے۔ آپ کو اپنی اولاد کو اہل عیال کو دین پر قائم رکھنا ہے۔ وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آخری وقت ایسا بھی آئے گا کہ دین پر عمل کرنے والا ایسا ہوگا کہ قابض علی الجمر کہ جیسے سلگتے ہوئے انگاروں کو کوئی مٹھی میں لے کر چلے۔ اب سلگتے ہوئے انگاروں کو ہاتھ میں پکڑنا کتنا بڑا سخت کام ہوتا ہے تو اسی طرح سلگتے ہوئے انگاروں کو ہر حالت میں تھامے رکھنا ہے۔ تو آپ کو اجر بھی بہت بڑا ملے گا۔

پاکستان اور عالم اسلام کو اسلامی نظام سے دور رکھا گیا ہے:۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے ملکوں میں بھی ایسے حالات نہیں ہیں کہ ہم دین پر بحیثیت ایک نظام کے عمل کرسکتے، نہ ہمیں عمل کرنے دیا جارہا ہے۔ نمازیں، روزے، زکوۃ آپ یہاں

الحمدللہ پاکستان سے بھی زیادہ بہتر کر رہے ہیں۔ لیکن بحیثیت مسلمان کے ہمیں مکمل دین پر چلنے کا موقع نہیں دیا جارہا ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ میں نے آپ لوگوں کو ایک دین بھیجا ہے جو ایک پورا نظام ہے۔ شریعت جس کا نام ہے۔ تو(ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا) اس کی پیروی کرو۔ اس شریعت کی، اس نظام کی اسے اخلاقیات، سیاسیات، سماجیات، معاشیات عقائد، تہذیب وتمدن، تعلیم پیدائش سے موت تک ہر ہر چیز اس کے دائرے میں ہے اور اصل تباہی اور بربادی ہمارے سارے عالم اسلام کی ہے کہ وہ نظام ہمارے ہاں کہیں نافذ نہیں ہے نہ اسے نافذ ہونے دیا جاتا ہے۔ یہاں اور پاکستان میں آزادی کی باتیں ہورہی ہے۔

نقض عہد کے پچاس سال:۔

پچاس سال ہماری آزادی کے گزر گئے "گولڈن جوبلی" مناؤ یہ سارا فراڈ اور دھوکا ہے یعنی نہ مصر آزاد ہے نہ شام آزاد ہے نہ لبنان آزاد ہے نہ پاکستان آزاد ہے۔ آزادی تب ہوگی جب ہم اپنے اصولوں پر اپنے نظام پر اپنے اصول پر، اپنے ضوابط، جو اللہ کے دیئے ہوئے ضوابط اور تعلیمات ہیں، اس پر ہم آزادی سے عمل کرسکتے لیکن کیا آپ کو ایسا لائحہ عمل اختیار کرنے دیا جارہاہے؟ پچاس سال آزادی کے نہیں گزرے۔ گولڈن جوبلی نہیں منانی چاہئیے۔ اپنے بے حمیتی، بے غیرتی کا ماتم کرنا چاہئے۔ توبہ کرنا چاہئیے، رونا چاہئیے کہ ہم نے نقض عہد کیا (فبما نقضھم میثاقھم) یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ ہم پر لعنت نہیں بھیج رہے ہیں۔ بنی اسرائیل پر فوراً جب انہوں نے نقض میثاق کیا۔ آزادی جس مقصد کے لیے دی گئی، اس کو فراموش کرگئے، بھٹک گئے۔ تو خدا نے ان کو(لعنھم) ہم نے ان پر لعنت برسائی وہ ملعون ہوگئے۔ آج تک وہ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی ملعون ہیں۔ اپنے گھر میں بھی ملعون ہیں۔ وہ اپنی دولت، معاشی قوت، بدمعاشی اور سازشوں کے ذریعے برسراقتدار ہیں۔ لیکن کوئی اس کو برداشت نہیں کرتا۔ خود یہودی بھی اب چاہتے ہیں کہ ہم کس طرح اس عذاب سے نکل جائیں۔ اس سٹیٹ کو ختم کرنے کی سوچ رہے ہیں۔ جو جبراً امریکہ کی زور سے قائم کی گئی ہے۔ ایسی قوموں کو پھر خدا ان کو آزادی نہیں دیتا ہے۔ آزادی کس لئے ہوتی ہے؟ ایک نظام کیلئے اس پر کاربند ہونے کیلئے آزادی ہوتی ہے۔ انگریزوں کے زمانے میں ہم نماز پڑھتے تھے، لیکن نظام بینک میں بازار میں غیر سودی نہیں چلاسکتے تھے۔ عدالتوں میں آپ قرآن وسنت پر عمل نہیں کراسکتے تھے قرآن وسنت کی شکل میں پورا دستور موجود ہے، آئین ہے، فقہ ہے، قانون ہے، تعزیرات حدود کا ایک پورا ایسا نظام ہے کہ دنیا کے کسی قوم کے پاس وہ نہیں ہے

انہوں نے ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ رکھی ہیں۔ کہ تمھارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

اپنے نظام کے بغیر نام نہاد آزادی غلامی ہے:۔

تو ہم انگریز سے اس لئے لڑ رہے تھے کہ وہاں ہم اپنے قرآن وسنت پر عمل کر سکیں گے۔ ہمارا جج، ہمارا قاضی اللہ کی حاکمیت کا مظاہرہ کرے گا۔ حاکمیت اللہ کے لیے ہوتی ہے۔ لیکن اللہ خود سیٹ پر نہیں بیٹھتا ہے۔ اللہ نے قرآن وسنت کو بھیجا، نبی کے ذریعے قرآن وسنت ہمیں دیا۔ کہ اب اس پر تمھارا قاضی تمھارا جج عمل کرے گا۔ یہ حاکمیت خداوندی ہے تو اس لئے ہم انگریزوں سے لڑے مصرمیں شام میں پاکستان میں کہ ہم اپنی عدالتوں میں اپنے قرآن وسنت کے مطابق فیصلے کرائیں۔ اپنی تعلیم گاہوں میں دینی تعلیمات کی روشنی میں علوم نبوت، علوم دینیہ حاصل کریں گے۔ اپنے بینکوں میں بازاروں میں منڈیوں میں غیر سودی معیشت کے مطابق زندگی ہوگی۔ ایک پورا نظام ہم نافذ کرینگے۔ اس نظام کے لیے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا تو یہ ایک جغرافیائی لکیر کھینچ دی گئی کہ یہ ملک الگ ہوگیا تو یہ تو آزادی نہ ہوئی۔ آزادی تو تب آپ کو ہوگی کہ جب اس نظام سے چھٹکارا پائیں جو انگریزوں نے ہمارے لیے اور فرانس نے اور پرتگالیوں نے نوآبادیاتی کالونیوں کیلئے بنایا تھا۔ اس نظام کو توپہلے دن ہم اٹھا کر سمندر میں پھینک دیتے کیونکہ وہ غلامی کا نظام تھا۔ غلاموں کے لیے بنایا گیا تھا۔ ایک تو اس لیے کہ اس میں تصور آخرت نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کے وجود وحدانیت اور شریعت کا تصور اللہ کی حاکمیت کا تصور نہیں تھا۔ اور ایک وہ خالص وحشیانہ ظالمانہ غیرانسانی، غیراخلاقی نظام تھا جو ہمیں غلام اور محکوم رکھنے کے لیے نافذ کیا گیا تھا۔ آج انگلینڈ میں جو نظام ہے یہ نظام اس نے ہم پر نافذ نہیں کیا تھا۔ یہاں تو اپنے کتوں کے لیے انہوں نے انتظامات کئے ہیں۔ اپنے حیوانات کو بھی تحفظ دیا ہے۔ بوڑھوں کو بھی، بیماروں کو بھی حقوق دیئے ہیں۔ عورتوں کا بھی ضعیفوں کا بھی، مریضوں کا بھی یہاں تحفظ ہے۔

استعماری سامراجی نظام:۔

یہاں تو ایسا نظام ہے کہ دنیوی لحاظ سے بہت بھلائی اور بہتری کا ہے لیکن ہم جس کو انگریزی نظام کہتے ہیں کہ ہم پر انگریزی نظام مسلط ہے یہ اس معنی میں کہتے ہیں کہ انگریز ملعون نے ہم پر وہ نافذ کیا تھا جس کے ذریعے محکوم اقوام کو ہمیشہ کیلئے غلامی کی زنجیروں میں باندھا رکھا جاسکے۔ انگریزی نظام جو یہاں رائج ہے، امریکہ میں ہے اور انسانی حقوق کا جو حصہ ہے کاش وہ ہی ہمارے اوپر نافذ ہوتا تو آج ہمارے مسائل اور بحران اور مشکلات اتنے نہ ہوتے، انہوں نے تو جانوروں

والا نظام ہم پر نافذ کیا تھا، انہوں نے ہمیں محکوم رکھا اور وڈیروں ، نوابوں اور سرداروں کے سپرد کرکے ہمیں ان پر بانٹ دیا۔ پانچ پانچ سو مربعے میل تک کے علاقے ان کے حوالے کئے ۔ ایک نواب کو کہا کہ اب انہیں سنبھال ان بھیڑبکریوں کو تہ خانوں میں پڑے رہنے دو۔ ان کو تعلیم نہیں دینی ہے ، ان کے علاج کی فکر نہیں کرنا ہے ں ان کو سڑکیں بناکر نہیں دینی ہیں ۔ تاکہ یہ سرنہ اٹھاسکیں اور ان کو وفاداری کا صلہ دیا گیا کہ تو خان بہادر اور نواب ہے ۔ پانچ پانچ سو ایک ایک ھزار دودوھزار مربع میل وہ ریاستیں انہوں نے بانٹ دیں اور بھیڑوں بکریوں اور جانوروں کی طرح ہمیں ان کے حوالے کردیا۔ یہ انگریزی نظام تھا جو سو، ڈیڑھ سو برس تک ہمارے اوپر مسلط رہا جو ہم نے اندھیروں کے تہ خانوں میں گزردیئے اور جبراوستبداد سے لوگ ایڑیاں رگڑرگڑ کر مرگئے ،اور غریب لوگوں کو ہاری کسان ،وڈیرے ، خان اور ملک کے رحم وکرم پرڈال دیا گیا۔

ہمارا نام نہاد عدالتی نظام :-

عدالتی نظام جان بوجھ کر ایسا نافذ کیا گیا کہ یہ کمبخت اس گردش میں کچہری سے نہ نکل سکیں باپ قتل بھی ہوجائے گا اس کے بیٹے کو اس کے پوتے کو انصاف نہیں ملے گا۔ ظالم دندناتا پھرتا ہے اور مظلوم بچارے کے پاس پیسہ نہیں ہے۔ آج بھی وہی ظالمانہ نظام ہے ۔کہ آپ بھی اس گردش سے نہ نکل سکیں ۔ اسلام کیلئے ، جہاد کیلئے ،نظام کیلئے آپ کو فرصت ہی نہ ملے ۔ حال ہی میں ایک شخص پر بہت ظلم ہوا اور بہت زیادتی ہوئی اس کے ساتھ وہ باربارعدالتوں میں جاتا رہا، روتا پیٹتا تھا اس کا کوئی نہ رہا سب کچھ لٹ گیا۔ اس کے پاس جو پیسے تھے وہ بھی ختم ہوگئے ۔ ابھی یہ واقعہ ہوا ہے ۔ اٹک میں اس شخص نے آکر عدالت میں فائرنگ کی ۔ اس نے کہا کہ مجھے تو تم نے تباہ کردیا۔ ایک تو ظلم کردیا ، ایک میرا سب کچھ لوٹ لیا، گھربار سے بھی محروم ۔ اب میرا کیا رہ گیا ہے اور تم انصاف کے نام پر اسی گردش میں مجھے دوسال سے رکھے ہوئے ہو، ظالم مزے کررہاہے ۔ اس کی تو دوسرے دن ضمانت ہوگئی تو اس نے فائرنگ کی ، دوآدمی مارے گئے ۔جج کو اس نے قتل کرنا تھا۔ جج بڑی مشکل سے بینچ کے نیچے سے بھاگ گیا۔ اس عدالتی نظام سے لوگ تنگ آجاتے ہیں ۔ اس ملعون نظام کو بھی ہمارے بے غیرت حکمرانوں نے پچاس سال سے ملک میں قائم رکھا ہوا ہے ۔ کم ازکم اس کو تواٹھاکر باہر پھینک دیا ہوتا۔ ایسا ملعون نظام ہے کہ اس میں قانون شہادت اور گواہی سب مذاق ہے میں نے کل بھی کہا تھا۔ ایک جلسہ میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک آدمی ہے ۔ ان پڑھ جاہل وہ روزانہ کچہری جاتا ہے۔ صبح جاتا ہے شام کو گھرواپس آجاتا ہے ۔میں نے پوچھا یہ کیوں

جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا اس کا کوئی کام کاج نہیں۔کچہری، عدالت کے باہر کھڑا رہتا ہے۔ اور کسی کو گواہ کی ضرورت ہو تو اسی کو بلا لیتا ہے، وہ اس کو کھلا دیتا ہے۔ اور پچاس روپے لیکر جج کے سامنے گواہی دے دو۔ وہ آجاتا ہے۔جج پوچھتا ہے تو گواہی دیتا ہے۔ہاں میں دیتا ہوں۔ وہ لکھ دیتے ہیں کہ گواہ کا خانہ پورا ہوگیا۔ وہ اس طرح دس دفعہ کم از کم دن میں کورٹ میں داخل ہوتا ہے۔ آپ کے پاکستان کے سارے کچہریوں میں یہی سلسلہ جاری ہے، پیشہ ور گواہ ہیں۔ اس جج بدبخت کو بھی پتہ ہے کہ یہ تو پچاس روپے پر آیا ہے۔ اسے تو یہ پتہ نہیں کہ مدعی کون ہے۔ مدعی علیہ کون ہے تو کیا ایسا نظام دنیا میں کہیں ہے؟ اب اس نظام سے کہاں کسی کو عدل وانصاف ملے گا۔ سارا مسئلہ پاکستان کی بربادی کا، کرپشن کا، جرائم کا، ظلم کا، بدعنوانی کا، موجودہ عدالتی نظام کا ہے۔ جو سراسر مذاق ہے، جس کے پاس پیسے بہت ہیں وہ خرید لیتا ہے۔ انصاف خریدوفروخت کی چیز بن گئی ہے۔ اسلام اعلان کرتا ہے کہ ہمارا فرض ہے کہ خود ہر مظلوم کے گھر تک انصاف پہنچایا جائے۔

اسلام میں سٹیٹ کی ذمہ داری:۔

یہ تو حکومت کا فریضہ ہے کہ انصاف کو خود پہنچائے گا غریب کے دروازے تک۔ اس کے لیے عدالت کا دروازہ نہیں کھٹکھٹانا پڑے گا۔ وہ کہتا ہے کہ سٹیٹ کا فریضہ ہے کہ ایک غریب اگر بھوکا ہے تو اس کو کھانا دیا جائے گا۔ بیمار کا علاج کریں گے۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ انسان تو انسان ہے۔(لومات الکلب علی شط الفرات لکان عمر مسئولاً عنہ) کہ اگر کتا بھی دریائے فرات کے آخری کنارے بھوک سے مرجائے تو حضرت عمرؓ روتے تھے کہ مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا جائیگا۔ یہ اس نظام کی ایک جھلک ہے اور یہ جو نظام رائج ہے خریدوفروخت کا خود اس سے موازنہ کریں تو آج پچاس سال ہو رہے ہیں ہم اسی نظام کے ساتھ چلتے ہوئے اس میں کوئی تبدیلی کسی نے گوارا تک نہ کی۔ ہم لڑ رہے ہیں مسلسل لڑ رہے ہیں حکمرانوں اور سیاست دانوں کے ساتھ کسی کو اتار دیتے ہیں۔ کسی کو بٹھاتے ہیں۔ ہمارے مولوی اور دینی جماعتیں سب اسی مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ چہروں کی تبدیلی میں، ہم کہتے ہیں چلو اچھا چہرہ آجائے تو شاید اس سے مسئلہ حل ہو۔ چہروں کو آزماتے آزماتے لوگوں نے عورتوں کے چہرے بھی آزمالئے کہ مردوں سے تو نہ ہوسکا چلو عورتوں کو لے آؤ۔ عرب وغیرہ اس زمانے میں ہنستے تھے پاکستانیوں پر، کہ کیا تمھارے ہاں کوئی مرد تھا ہی نہیں اس زمانے میں جب بے نظیر آئی تھی۔ امریکہ میں ایک ہوٹل کے ریسپشن پر ایک حبشی عورت نے بڑے جھنجلاہٹ سے مجھے کہا، لوگوں نے کہا یہ سینٹر ہے اس نے کہا کہ تم لوگوں میں

غیرت نہیں ہے کہ عورت کو بٹھا دیا۔ میں نے کہا تم عورت ہوکر ایسا کہتی ہو۔ اس نے کہا تمہارا قرآن و حدیث "کنڈم" کرتا ہے۔ اس بات کو، اس لیے میں کہتی ہوں۔ اس نے کہا کہ تمہارا قرآن اور حدیث اس چیز کو برداشت نہیں کرتا۔ لیکن قوم نے برداشت کیا کہ ظالم مردوں سے کچھ نہ ہوسکا تو چلو عوام بیزار ہوگئے۔ اب اس کے بعد عورت کو بھی دیکھ کر فوراً بیزار ہوگئے کہ یہ تو اور مصیبت ہے پرنالے کے نیچے آگئے بارش سے بھاگ رہے تھے۔ پھر مردوں کو آزمایا۔ پھر ہم نے ایک اور مرد کو آگے کیا کہ شاید یہ بڑے صاف ستھرے ہونگے۔ ہم خود بھی سارے پیچھے لگ گئے کہ چلو مرد تو ہے۔ مگر ان مردوں نے پھر ایسے حرکات کیئے۔ تھوڑے عرصے میں کہ لوگوں کو عورتیں دوبارہ یاد آگئیں۔

ہم سب چوراہے پر کھڑے ہیں :-

اب دونوں کو آزما کر لوگ حیران ہیں۔ چوراہے پر کھڑے ہیں پر کہ اب کیا کریں مولوی سے پوچھتے ہیں کہ اب کیا کریں۔ ہم کہتے ہیں کہ بدبختو جو چاہو وہ کرو۔ جس جہنم میں جاتے ہو جاؤ۔ ہم سے تو نہیں ہوسکا تمھارا علاج، تم تو چہروں کے آزمانے پر لگے رہے ہو۔ اتارنے چڑھانے میں پچاس سال سے یہی کھیل جاری ہے۔ کبھی ایک کو لوٹ مار کا موقع دیتے ہو کبھی دوسرے کو۔ درحقیقت یہ تو چالیس چوروں کا ٹولہ ہے۔ پچاس سال سے جو مسلط ہے۔ سیاستدانوں اور حکمرانوں کا ٹولہ اس پر متفق ہے کہ اس نظام کو تبدیل نہیں کردینا۔

نظام سے ہماری طویل صبر آزما جنگ :-

ہم نے شریعت بل پیش کیا۔ بارہ سال جنگ لڑی۔ شریعت بل سے کیا قیامت آتی تھی اس کا پہلا دفعہ یہی تھا کہ موجودہ سارے عدالتی نظام اور اس کے طریقہ کار کو یک سر تبدیل کیا جائے۔ وہ چیخ پڑے ملک میں طوفان اٹھا۔ وکیلوں نے، ججوں نے یہ تو ہماری ساری روزی ختم ہوجائے گی۔ یہ تو ملا آنا چاہتا ہے۔ میں چیختا تھا کہ بھائی ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ پگڑی باندھے ہوئے اللہ اکبر کہتے ہوئے ہم آکر سارے عدالتوں پر قابض ہوجائیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ انگریز ملعون کے قوانین ہیں۔ ۱۸۶۰ء سے لیکر ابتک یہ فرسودہ قوانین اٹھا کر باہر پھینک دو اس کے بجائے اللہ اور اس کے رسولؐ کے قوانین تمھارے ججوں کو دے دینگے۔ ایک کمیٹی بنی، ایک شخص اس کا چیئرمین بنایا گیا۔ جسٹس بشیر الدین مرحوم اب وفات پاچکا ہے، کمیٹی اسمبلی میں میرے ہی تحریک سے بنی تھی۔ وہ ایک دفعہ آپے سے نکل کر کہنے لگا کہ مولانا تم ہماری تین چار نسلوں کے دشمن ہو تم ہمیں

قتل کرنا چاہتے ہو ۔ میں نے کہا وہ کیسے ؟ کیا قیامت آگئی ۔ کہا میں بوڑھا ہوں ۔ ۷۰ ، ۸۰ سال کا ریٹائرڈ جسٹس ہوں ۔ اب میرا بیٹا وہ بھی وکیل ہے اور اس کا بیٹا وہ بھی وکالت کررہا ہے ۔ تو تیری بات اگر ہم مان لیں تو پھر یہ حرام حلال اور یہ جائزناجائز وکیلوں پر وکالتیں اور فیس یہ ساری خرید وفروخت بند ہوجائے گی تو ہم جائیں گے کہاں ، کہاں سے کھائیں گے ۔تو یہ ساری جنگ ہم نے لڑی بڑی مشکلات سے ۔ کبھی شیعہ بھی ہمارے خلاف اور کبھی بریلوی کبھی دیوبندی ، اور کبھی فرقہ واریت کانام لیا جاتا ، کبھی عورتوں کو اٹھایا جاتا تھا ۔ پورے ملک میں ہمارے خلاف جلسے وجلوس کرائے جاتے کہ مولوی تمھارے حقوق کا دشمن ہے ۔ بہرحال وہ ساری جنگ نظام سے جنگ تھی ۔

شریعت بل نظام بدلنے کا جنگ تھا :-

اصل میں شریعت بل کا معنیٰ یہ نہیں تھا کہ بس شریعت نماز ، روزہ ہے بلکہ سارا عدالتی ، معاشی ، سیاسی ڈھانچہ بدلنا تھا ۔ اس میں ایک دفعہ یہ تھا کہ صدر مملکت اور وزیراعظم تمام شہری جو ہیں وہ برابر ہونگے اور سب کا محاسبہ کیا جائے گا ۔ اس میں ایک دفعہ یہ تھا کہ صدر اور وزیراعظم نے اگر جرم کیا تو ان میں سے کوئی بھی احتساب سے بالاتر نہیں ہوگا ۔ آج یہ سب چیخ رہے ہیں ۔ نوازشریف ڈفلی بجاتا ہے ۔ تقریر ٹی وی پر کرتا ہے ، کرتے کیوں نہیں ہو ۔ انقلابی قدم اٹھاؤ ۔ اتنی بڑی اکثریت عوام نے تم کو دے دی ۔ مینڈیٹ اپنے لئے سب کچھ راتوں رات ترمیمیں ہوجاتی ہیں ۔ سارا آئین تہس نہس کردیا گیا ۔ جبکہ سب سے پہلی بات اس میں یہی کرنی تھی ۔ کہ قرآن وسنت سپریم لاء ہے ۔ جس کے لیے ہم جنگ لڑتے رہے ہیں ۔ شریعت بل کے زمانے سے اس کے لیے کوئی تیار نہیں ہے ۔ مطلق العنان الٰہ ہے ۔ تو اس کی مطلق العنانی کو وہ چھین کر اپنے بارے میں وہ یہ سوچتا ہے کہ " انا ربکم الاعلیٰ " بن جاؤں ، وہ بن نہیں سکتا ۔ اللہ تعالیٰ پھر راتوں رات گیند کی طرح اٹھاکر باہر پھینک دیتا ہے تو وہاں ہم نے شریعت بل کے شکل میں یہی چاہا کہ عدالتی نظام کو ٹھیک کرنا اور بدلنا ہے ۔ اور یہ کہ احتساب سے کوئی بالاتر نہ ہو ۔ آج وہی رونا روتا ہے تقریریں کرتا ہے ۔ کہ ہمارا عدالتی نظام بہت خراب ہے اور احتساب کیلئے بل آتے ہیں کہ صدر بھی اس میں ہو ، وزیر بھی ہو ، وزیراعظم بھی ہو ، گورنر بھی ہو ، بات تو وہی ہے کہ اگر اس نظام کو بدلنے کے لیے یہ تیار نہیں ہیں تو آپ کے مشکلات کب حل ہونگے ۔ ہمارے مولوی اور ہماری دینی قوتیں بھی اصل نقطے پر نہیں لڑیں تو ۱۹۴۷ء سے اس بات پر چاہئے تھا کہ سارے نظام کو اٹھا کر باہر پھینک دیں ۔ اپنا نظام ہو، عدالت کا، انصاف کا ، تعلیم کا، معاشیات کا مسلمانوں کو اللہ نے سب کچھ دیا ہوا ہے ۔ اس پر ایمان اگر ہے بھی تو لوگ دبے ہوئے ہیں اور حکمران جو آتے ہیں ڈرتے ہیں ، کہ امریکہ

ہمیں اٹھا کر باہر پھینک دے گی۔ امریکہ نہیں چاہتا کہ کسی ایک انچ کے خطے میں بھی اسلامی نظام نافذ ہو۔ وہ فلاحی اور عادلانہ نظام ہے۔ وہ اسلامی نظام سراسر فلاح والا نظام ہے۔ اس میں کتے کے بھی، حیوان کے بھی اور جانوروں کے بھی حقوق محفوظ ہیں۔ اس میں غیر مسلم کے حقوق مسلم سے زیادہ ہیں۔ غیر مسلم پر ذمہ داریاں نہیں ہیں اور رعایتیں ساری ہیں۔ ڈیوٹیاں اس کے ذمہ نہیں۔ ٹیکس اس پر کم ہے اور ذمہ داریاں مسلمان پر ڈبل ہیں۔ " لھم مالنا ولا علیھم ماعلینا " حضور نے فرمایا کہ جو کچھ مسلمانوں کے لیے ہے وہ ان کے لیے بھی ہے اور جو کچھ بوجھ اور ڈیوٹیاں ہیں وہ ان پر نہیں ہیں۔ یعنی حقوق تو پورے ہیں اور فرائض بالکل نہیں۔ ایسا معاشرہ کہاں کوئی پیش کر سکتا ہے۔

چہرے بدلنے میں نصف صدی گزاری:-

ہم کبھی ایک پارٹی کے ساتھ ہو جاتے ہیں کبھی دوسرے کے ساتھ کبھی آپس میں لڑتے ہیں سب سے پہلے ایک نقطے پر جنگ لڑنی چاہیئے تھی کہ یہ نظام اٹھا کر پھینک دیا جائے۔ یہ کرپشن کا نظام یہ سرمایہ داری کا نظام، یہ مہنگائی اور بے روزگاری کا نظام ہے۔ لیکن چہروں کی تبدیلی سے مسئلہ نہیں حل ہوگا۔ آپ پچاس سال بعد سو سال بعد بھی " گولڈن جوبلی " کے بعد کوئی جوبلی منائینگے لیکن پھر بھی یہی حالت ہوگی۔ دن بدن تباہ اور بدتر ہوتے چلے جارہے ہیں۔ ملک غلام ہوگیا ہے۔ اقتصادی لحاظ سے، سیاسی، جغرافیائی ہر چیز کے لحاظ سے ہم غلامی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہماری سیاست مکمل طور پر باہر کی تابع ہے اور غیروں کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتے ہیں اتار دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں بٹھاتے ہیں۔ جسے چاہتے ہیں مینڈیٹ دیتے ہیں۔ کسی کو اتار دیتے ہیں۔ اقتصادی لحاظ سے آپ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے سب غلام بن کر رہ رہے ہیں اور کروڑوں روپے کے قرضے آپ کے انڈسٹریز اور اداروں پر چڑھے جارہے ہیں۔ تو اس نظام کے خلاف کوئی اٹھتا نہیں ہے۔ پیپلز پارٹی،، جمعیت علماء اسلام، مسلم لیگ، سرخ پوش جو بھی پارٹیاں تھیں۔ ملک آزاد ہوگیا۔ تو پہلی سوچ ہونی چاہئے تھی کہ جس طرح اور قومیں سوچتی ہیں کہ سیاست بعد میں کرینگے۔ اپنی ملک کی تعمیر کی سوچتے، غریب کی سہولتوں کی اور عوام کے فلاح کی باتیں سوچیں قومیں آزاد ہوتی ہیں، تو اس پر سارے اکٹھے ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اسرائیل بھی آزاد ہوا، چین بھی آزاد ہوا، دنیا کی کئی ریاستیں آزاد ہوئیں۔ مل بیٹھ کر انہوں نے فلاحی کاموں کا پہلے فیصلہ کیا۔ سب کو برابر کر دیا۔ سب کو احتساب کے دائرے میں لے آئے تو ہم نے اگر سب سے پہلے مکمل طور پر متفق ہو کر اس نظام کے خلاف جنگ لڑی ہوتی اور اسکی بجائے اپنے نظام کو لاتے جو مسلمان کے ساتھ شریعت مطہرہ کے علاوہ کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ آج ملک کہاں سے کہاں گیا ہوتا۔ بدبختوں نے اگر اسلام

نافذ نہ بھی کیا ہوتا نعوذ باللہ چلے ایک لمحہ کیلئے لیکن جو فلاحی ریاستوں کے آزاد شدہ ریاستوں کے اصول تھے ضوابط تھے ترقی یافتہ ملکوں کے وہ قواعد وضوابط وہ نظام اپنے ہاں ہمارے نافذ کیا ہوتا تو اب آپ کے ملک کی حالت یہ نہ ہوتی۔

کتا کنویں سے نکالے بغیر پانی کب صاف ہوگا ؟:۔

کتا کنواں میں پڑا ہوا ہے اور سارے لوگ چیخ رہے ہیں کہ ہمیں پاک پانی مل جائے ، ایک کنواں ہے اس میں کتا پڑا ہوا ہے۔ وہ خبیث جو گیا ہے گھر سے یعنی انگریز اس نے وہ کتے کو کنویں میں ڈالا تھا اور کنوے کو اسی حالت میں چھوڑ دیا۔ اب گھر والے نئے آگئے وہ چیخ رہے ہیں کہ پانی گندہ ہے ، بدبودار ہے۔ ایک پارٹی کہتی ہے کہ میں پاک کرتا ہوں ، مولوی کے پاس جاتے ہیں کہ کتنے ڈول نکالیں وہ کہے دو سو نکالو۔ وہ پارٹی دوسوڈول نکال لیتی ہے۔ پھر وہی بدبو ہے اور بڑھ گئی ، دوسری پارٹی کہتی ہے کہ ہم صاف کرلیتے ہیں۔ دوسری پارٹی آگئی انہوں دس ہزار ڈول اس کنوے سے نکال لیئے۔ وہ پاک ہوجائے گی۔ سب سے پہلے سوچنا تو یہ تھا کہ اس کتے کو تو باہر نکال دو جب تک کتا پڑا رہے گا۔ کنواں پاک نہیں ہوسکتا۔ جبتک آپ کے ملک میں وہی نظام ہوگا ، وہی سامراجی نظام ہوگا ، وہی استعماری نظام ہوگا ، وہی معاشی نظام ہوگا وہی عدالتی نظام ہوگا تو آپکے ملک کے مسائل کسی بھی پارٹی کے بس میں نہیں کہ وہ حل ہوسکیں۔ وہ تو ایک قیدخانے کا نظام تھا۔

ہندوستان ایک قید خانہ تھا اور قیدخانے میں لوگوں کے لیے انگریز یا جو بھی مالک ہوتا وہ ایسا نظام نہیں دیتا کہ قیدی سر اٹھاسکے۔ جیل میں رکھتا ہے ، آٹا پسواتا ہے ، ورزش کرواتا ہے ، دوڑاتا ہے ، کنٹرول میں رکھتا ہے ، اذیتوں میں رکھتا ہے کہ یہ سرکشی نہ کرسکے لیکن جب جیل سے آدمی نکل جاتا ہے تو اس کیلئے قواعدوضوابط نہیں ہوتے۔ وہ اب آزاد ہوتا ہے۔ تو برصغیر پورا ایک قیدخانہ تھا۔

۱۹۴۷ء میں یہ لوگ آزاد کردیئے گئے۔ ہمارے ساتھ ہندوستان بھی تھا لیکن وہ کہاں پہنچا۔ جو لوگ تجزیہ کررہے ہیں پچاس سالہ آزادی پر ، ٹی وی پر اور مختلف ذرائع سے تو گراف بنا رہے ہیں تو پاکستان کو کم سے کم دکھارہے ہیں۔ ہر شعبہ ہر چیز میں۔ ہندوستان کو اتنا بڑا دکھاتے ہیں وہاں تک ، تو ہم اسی ظالم قیدی نظام میں پھنس کررہے۔ اس نظام سے چٹکارہ جب تک حاصل نہیں ہوگا۔ تو یہ خوش فہمیاں ہیں۔ کہ کوئی جماعت آئے گی وہ ہمیں نجات دے گی۔ کوئی دوسری جائے گی تو نجات ہمیں حاصل ہوگی۔ اب اس کے لیے کونسا راستہ اختیار کیا جائے عوام تقسیم ہوگئے ہیں۔ کوئی کسی کے شکنجے میں ہے ، کوئی دوسرے کے شکنجے میں ہے۔

پارلیمنٹ چالیس چوروں کا ٹولہ :-

پارلیمنٹ جو ہے مجموعی لحاظ سے دوڈھائی سو افراد سے عبارت ہے ۔انہیں چالیس چوروں کا ٹولہ میں نے اس لیے کہا، وہی دوڈھائی سو گھرانے ہیں ۔ اور ان کا ہولڈ ہے علاقوں پر وہ جدھر دیکھتے ہیں کامیابی تو ادھر کھسک جاتے ہیں ۔ ادھر دیکھتے ہیں تو ادھر بہرحال وہ بائیس بن جاتے ہیں ۔ تو بائیس (۲۲) والوں کی حکومت ہوتی بیس والے حزب اختلاف بن جاتے ہیں ۔ شور مچاتے ہیں جو نیچے ہوتے ہیں ۔ چور چور سب چور سب کچھ کھا گئے، لیکن جب وہ آجاتے ہیں پھر وہ ان کو نہیں پکڑتے ۔ یہ ان کو نہیں پکڑتے ۔ اس پر اتفاق ہے کہ گپ شپ لگائیں گے ۔ احتساب احتساب کچھ نہیں ہوگا ۔ حزب اختلاف چیختی ہے کہ حکومت نے کروڑوں روپے کھالئے ۔ وہ کہتے ہیں تم نے تو اربوں کھائے تھے ۔ یہ ایک فائل نکالتے ہیں وہ دس فائل نکالتے ہیں ۔ حکومت میں ہوتے ہوئے بھی چپ ہوجاتے ہیں تو بہرحال عالم اسلام کے لیے سارا یہی المیہ ہے ۔ اس نظام شریعت کو امریکہ اور دشمن نہیں برداشت کرتا یہی جنگ مصر میں بھی ہے، یہی مراکش میں بھی ہے، یہی سوڈان میں بھی ہے ۔

امریکہ کا ورلڈ آرڈر :-

امریکہ نیو آڈر کا خلاصہ یہی ہے کہ اب مسلمانوں کو مستقل کچل دو اور مسلمانوں کو کچلنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کا نظام کہیں نہ پنپنے پائے اور نظام حب نہیں پنپ سکے گا کہ مدرسہ سے مسجد سے دین سے مولوی سے ان کا تعلق کاٹ دیا جائے ۔ اب کلنٹن کو اتنا احساس ہے ۔ ان مدرسوں کی اہمیت کا کہ اتنا انگریز کو نہیں ہوا تھا ۔ انگریز آیا اس نے ہمارا سارا اسلامی نظام تہس نہس کرلیا ۔ ہمارے علماء کرام نے مدرسوں، مسجدوں میں اور درختوں کے نیچے بیٹھ کر قرآن وسنت کو سینے سے تھام کر تعلیم جاری رکھی ۔ روکھے سوکھے آپ لوگوں کے چندوں پر، انگریز کو اس کے اثرات کا پتہ نہیں تھا ۔ کہا چلئے مولوی تعلیم میں مشغول ہے ۔ اس نے ڈھیل دے دی لیکن اس چیز نے اس کا جنازہ نکالا ۔ وہ سمجھا نہیں لیکن اب اچانک نقشہ بدلہ دنیا کا

جہاد افغانستان اور طالبان :-

ایک ظالم قوت نے افغانستان میں جابرانہ قدم رکھے ۔ تو سب سے پہلے آپ کے یہ دین پڑھے ہوئے یہ طالب علم اور یہ مولوی یہ علماء مسجدوں میں جن کی تربیت ہوتی تھی جہاد کیلئے وہ نکل آئے ۔ آپ نے دیکھا کہ نہتے اور بے سہارا لوگوں نے پندرہ سال تک جہاد کیا اور سپر طاقت

تہس نہس ہوئی ۔ امریکہ تو پہلے اس سے ڈر رہا تھا ۔ اس نے کہا یہ ظالم قوت ان چھوٹے چھوٹے طالب علموں اور مولویوں سے تو اتنی بڑی عظیم قوت تس نس ہوگئی جس کی اس کو توقع نہیں تھی ۔ وہ ایٹم بم بنارہا تھا ۔ وہ ان کیلئے ایٹم بم کے ڈھیر لگا رہا تھا ۔ لیکن وہ ایٹم بم بے کار رہ گئے اور سپرطاقت تہس نہس ہوگئی ۔ امریکہ کا کوئی ایٹم بم کام نہیں آیا ۔ آپ نے جس بچے کو پڑھایا تھا سوکھی روٹی سے ، وہ بچہ اس کے لیے ایٹم بم بن گیا ۔ افغانستان کے پہاڑوں میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا ۔ ۱۵ لاکھ افراد شہید ہوئے ۔ دشمن سوچنے لگ گیا کہ جہاد اتنی بڑی قوت ہے ، کہ اللہ اکبر کے نعرے سے ساتھ ہی اچھلتے ہیں ۔ خندقوں سے نکلتے ہیں اور ایک سپر طاقت کو تہس نس کردیتے ہیں ۔ اب وہ پریشان ہوگیا کہ وہ طاقت تو گئی لیکن اصل طاقت تو محفوظ ہے ۔ مسجدوں میں ، مدرسوں میں جب تک جہاد ہے ، جب تک دین ہے ، جب تک یہ قال اللہ اور قال الرسول ہے اگر اس اصل طاقت کے ذریعے کہیں بھی ایک اسلامی حکومت قائم ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظام آگیا تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ ساری دنیا اس کی پلیٹ میں فوراً آجائے گی ۔ تو اب یہ ان طاقتوں کے ذہن میں ہے ۔ کلنٹن نے سب سے پہلے انٹرویو جو صدارت کے بعد دیا ، پہلی دفعہ جب صدر بنا اس نے کہا کہ ہمارے خلاف اصل طاقت اب یہ مسجدوں والے ، یہ مدرسوں والے مولوی ہیں ۔ یہ پھٹے پرانے لباس والے مسلمان ، یہ جو مسجد اور مدرسے ہیں اس سے جو پڑھتے ہیں اس سے جہاد کا جذبہ لیتے ہیں اس کو اندازہ ہوگیا ہے ۔ اب مزید افغانستان کے طالبان نے اس کو بھڑکا دیا ہے ۔ آزادی کے بعد ان کے لیڈر خانہ جنگی میں لگ گئے یہ بدبخت جہاد افغانستان کے ثمرات کو ضائع کرنے لگے تو وہی طالب علم جو قال اللہ اور قال الرسولؐ مسجدوں میں ، مدرسوں میں پڑھتے تھے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے نتیجہ بھی دکھایا انہوں نے لوگوں کو مارا نہیں ہے ، لوگوں پر ظلم نہیں کیا ہے ۔ سات آٹھ آدمی طالبان کے ہاتھ سے قتل نہیں ہوئے ہیں ، لیکن شریعت کا اعلان کیا ہے ۔ اب یہاں جو علاقے طالبان کے قبضے میں ہیں اس میں شریعت نافذ ہوگئی ہے ۔ غیرشرعی احکامات اور قبائح بند کردیئے گئے ۔ انہوں نے کہا کہ کوئی بھی ظلم کرے گا اس کو سزا ملے گی ۔ وہاں چند دنوں میں ایسا امن قائم ہوگیا کہ افغانستان کے چوبیس پچیس صوبوں میں مکمل امن ہے ۔ صرف اللہ کے نظام کا نام لینے سے برکات نازل ہوئیں جو کھنڈر بنا ہوا تھا وہ سارابارود کا ڈھیر تھا ۔ وہاں بریف کیس بھرا ہوا کسی سے روپے کا اور سونے کا گرجائے دوسرے دن تک وہ سڑک پر پڑا رہتا ہے ۔ ابھی وہاں دس آدمیوں پر بھی انہوں نے حدقائم نہیں کی تھی کہ اللہ کے دین اور حدود اور اسلامی قوانین کی برکت سے وہاں پر امن قائم ہوگیا ۔ یہاں کتوں کی طرح کتنے لوگ پھانسی ہوجاتے

ہیں ہمارے ملک میں خفیہ لیکن کوئی اس کا اثر نہیں۔ جب اللہ اور رسولؐ کے دین کے نام پر ایک قانون نافذ کرو گے تو خدا اسکی تائید کرتا ہے تو دنیا سمجھتی ہے کہ اس نظام میں ہمارے لیے موت ہے۔ نیو ورلڈ آڈر کا یہی خلاصہ ہے اس وقت آپ کو اپنی دین کی حفاظت کرنی ہے۔ اپنے دشمن کے منصوبوں پر بھی نظر رکھنی ہے۔ یہاں ہمارے حکمران بدبختی سے انہی کے مقاصد کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں۔

صلیبی جنگ سے زیادہ سخت لڑائی شروع ہو چکی ہے:۔

لیکن آج عالم اسلام ایک چوراہے پر کھڑا ہے اور کفر اور اسلام کی ایسی لڑائی شروع ہوگئی ہے جو بظاہر صلیبی لڑائیوں سے بھی ہزار درجے زیادہ سخت ہے لیکن اللہ نے اس وقت عالم اسلام میں بھی بیداری کی لہر دوڑادی ہے اور مسلمان سمجھ گئے ہیں کہ ہمارا راستہ یہ سیاست، یہ پارلیمنٹ، یہ جمہوریتیں نہیں ہیں، ہمارا راستہ انقلاب کا راستہ ہے۔ اور انقلاب آئے گا اور ان سے جہاد کرنا پڑے گا۔ پاکستان میں بھی اور دیگر ملکوں میں بھی۔ ان منافقین کے ساتھ ان کے ایجنٹوں کے ساتھ جہاد کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ اللہ کا فضل ہے کہ عوام ہمارے ہاں دونوں قوتوں سے جو شرکی قوتیں ہیں مایوس ہوتے جارہے ہیں وہ سمجھ رہے ہیں ان کے پاس ہمارا مداوا نہیں ہے۔ یہ ایک اچھی صورت حال ہے۔

نجات کا راستہ:۔

عوام مایوس ہوکر ایک تیسری قوت ایک صالح قیادت نوجوانوں کی طرف دیکھیں گے کہ خدارا اٹھو ان ظالموں سے ہمیں نجات دلاؤ۔ بہرحال یہ مختصر گذارشات ہیں۔ آپ کا قیمتی وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطافرمائیں۔ میرا مقصد تو محض آپ سے ملاقات تھا۔ میں تو کوئی مقرر وغیرہ نہیں ہوں۔ ان احباب نے ازراہ محبت حکم دیا میں نے کہا اس بہانے سے آپ سے دوچار باتیں ہوجائیگی۔ اب اگر کچھ حضرات کوئی سوال کرنا چاہیں تو انشاء اللہ جواب دیا جائے گا۔

(وآخر دعونا الحمدللّٰہ رب العالمین)۔

(اس کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ سوال وجواب کی نشست رہی)

✠✠✠✠✠✠✠✠✠✠✠✠✠✠✠✠✠✠✠✠✠✠

جناب مولانا سید محمد رابع ندوی صاحب

عالم اسلام میں احساس کمتری

مسلمانوں کو گذشتہ کئی صدیوں میں غیروں کی غلامی میں رہنے سے سابقہ پڑا۔ چنانچہ آزاد قوموں کی طرح اپنی ملی اور سیاسی زندگی کو صحیح طور پر مرتب کرنے سے قاصر رہے بلکہ ان کی کئی کئی نسلیں اس غلامی میں مبتلا رہ کر احساس کمتری میں مبتلا ہوئیں۔ یہ احساس کمتری کسی بھی قوم میں اگر پیدا ہوجائے تو پھر وہ کوئی بڑا کام انجام نہیں دے سکتی، لیکن اب تقریباً نصف صدی سے اکثر مسلمان ممالک سامراجی طاقتوں کی براہ راست ماتحتی سے نکل آئے ہیں، اور ان کو اس کا موقع ملا کہ وہ اپنی قومی وملی زندگی کو اپنے صحیح مزاج ومقصد کے مطابق ڈالیں اور اپنے نئی نسلوں کو صالح اور باعزت قدروں کے مطابق تیار کریں، اس کیلئے ان کو ضرورت تھی کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سکھائیں اور اپنے تعلمی نظام سے اپنی صالح قدروں کے مطابق ان کا کردار بنائیں۔ انکی صحیح دینی تربیت کریں اور وسائل زندگی کو تعمیری انداز میں اختیار کرنے کا سلیقہ سکھائیں وہ ان کی اس پریشانی نظروں کو دور کریں جس کا گلہ علامہ اقبال نے کیا تھا۔

دل توڑ گئی ان کا دوصدیوں کی غلامی
دارو توکوئی سوچ ان کی پریشان نظری کا

غیر ملکی سامراج کی براہ راست غلامی سے نکلنے کے بعد مسلمانوں کی ذہنی تربیت اولین کام تھا، اس کے لیے ہمارے دانشوروں کو آگے آکر قومی ضرورت کے تعلیمی وتربیتی نظام قائم کرنے کی فکر سب سے زیادہ کرنا چاہئے تھا لیکن افسوس کہ اس کی طرف کم توجہ دی گئی، غلامی کے اثر سے مسلمانوں اور مشرقی قوموں میں اپنے بارے میں جو احساس کمتری سرایت کرگیا تھا اسکے دور کرنے کی بھی فکر کوئی خاص نہیں کی گئی۔ چنانچہ یہ قومیں مغربی قوموں کی ذہنی غلامی سے نہیں نکل سکیں، دوسری طرف خودسامراجی طاقتوں نے ان قوموں کو آزاد کرتے وقت ان کو ایسے نظام تعلیم پر ڈالا جس سے ان کی ذہنی غلامی کا تسلسل قائم رہے چنانچہ یہ قومیں مغربی قوموں کو جنھوں نے کئی صدی تک ان پر اپنے جبرواستبداد، تحقیر وتذلیل کے ساتھ غلام بنا رکھا تھا...... اپنے سے برتر انسان کی حیثیت سے دیکھتی رہیں اور اپنی ملی اور قومی زندگی کو استوار کرنے میں وہی اندازومزاج اختیار کرتی رہیں

جو مغربی قوموں کے مزاج، مذہب اور انداز فکر کا تابع رہا اور جو انکی ذہنی غلامی کی علامت رہا۔

دوسری طرف مغربی قوموں نے اپنے سامراجی ذہنوں کو نہیں بدلا اور ان قوموں کو آزاد کردینے کے باوجود ان کو ذہنی اور اقتصادی غلامی میں رکھا، چنانچہ اس وقت ان مشرقی قوموں کو جس غلامی سے سابقہ ہے وہ جسمانی اور ظاہری لحاظ سے تو قابل ذکر نہیں ہے لیکن ذہنی و عملی غلامی سے قریب تر ہے۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ذہن بکھرے ہوئے، خیالات الجھے ہوئے، ایک دوسرے سے کشمکش اور ٹکراؤ، اپنوں سے دشمنی، غیروں سے دوستی، اپنے اعلیٰ مقاصد سے بے پرواہی اور سطحی ورواجی مقاصد سے دلچسپی، اپنی اعلیٰ قدروں سے دست برداری اور اپنے سابق آقاؤں کی قدروں سے آشنائی عام نظر آتی ہے۔ اور یہ بات پڑھے لکھے طبقے میں زیادہ نظر آرہی ہے کہ ان کے دانشور لوگ اس میں مبتلا نظر آتے ہیں جن کو اپنے جاہ کی فکر، اپنی رائے اور سمجھ پر ناز ہوتا ہے اگر دولت ہے تو مغربی طرز پر اس کا بے جا صرف، اگر غربت ہے تو ملی عزت وعظمت کے بقا پر خوشحالی کی ترجیح، اگر جہالت ہے تو چرب زبان قائدین کے پیچھے دوڑنا اور تعلیم ہے تو خالص مغربی پیمانہ پر اس کی تربیت اور اس سے استفادہ نظر آتا ہے۔

اسلامی ممالک کے پورے پورے ملکوں سے گذرجائیے، ذہنی پراگندگی اور غیروں کی برتری کا احساس نظر آئے گا، دوسری طرف غیرقوموں کے لیے یہ حالات شکار کے بہترین حالات ہیں اور یہ غیر طاقتیں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ فلسطین جس کے بارے میں عہد غلامی کے دوران کوئی عرب تصور بھی نہیں کرتا تھا کہ وہاں یہودی اقتدار ہوگا اور نہ اس واقعہ کے وجود میں آنے کے لیے راستہ دے سکتا تھا، آج خود عرب دانشور فلسطین میں یہودی اقتدار کو نہ صرف ایک حقیقت واقعہ سمجھ رہے ہیں بلکہ سیاسی اقتصادی ومعاشی ہر طرح کے تعاون وتبادلہ کے لیے تیار ہیں۔ مصر، شام، عراق جہاں اسلام کو عزت ومرتبہ حاصل تھا اب اس کی باعزت بقا کی کوشش کو ایک باغیانہ کردار سمجھا جارہا ہے، ایک طرف یہ افسوسناک واقعہ ہے کہ اسلامی مقصد کے خاطر جلسے مشورے یا مظاہرے ناپسندیدہ قرار دے کر روکے جاتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ مخالف وبدخواہ جو صرف ربع صدی قبل دشمن ازلی تھا، یعنی اسرائیل اس کو باعزت طریقہ سے دور کرنے اور ثقافتی واقتصادی مشورے اور معاہدے کرنے کی کھلی چھوٹ ہے۔ مسلم حکومتوں کا یہ حال ہے کہ ان کو اپنے زیرسرکردگی علاقوں میں سامراجی ملکوں کے مفادات کی ہوتی ہے حتیٰ کہ جن موقعوں پر سامراجی اور ملکی مفادات کا ٹکراؤ ہو وہاں بھی سامراجی مفادات کو ترجیح دی جاتی ہے یہ وہ

حالات ہیں جن کا پتہ ان خبروں سے وقتاً فوقتاً چلتا رہتا ہے جو اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔

عالم اسلام اس وقت مغربی سامراج کے قبضہ میں ایک دودھ دینے والی گائے کی طرح ہے جو اپنے بچے کو اتنا دودھ نہیں پلا سکتی اور اپنے بچے کے مفادات کی فکر ایسا نہیں کر سکتی جیسا اس کو اپنے مالک کو اپنا دودھ اور اپنی خدمات پیش کرنا پڑتا ہے۔ اس صورتحال کی اخلاقی ذمہ داری ہمارے دانشوروں پر آتی ہے جو حالات کو سمجھنے اور ملک وملت کی ضرورت کو جاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود امت کے حالات کو بہتر بنانے اور علم وعمل کے میدان میں کامیابی کے ساتھ چلنے کی صلاحیت پیدا کرنے، صحیح اسلامی عزت کے راستے پر ڈالنے کے بجائے مغربی سامراج کے مفادات سے مطابقت رکھنے والے طریقوں اور قدروں کے فریفتہ رہے اور امت کے تعلیم وثقافت کا نظام اسی کے لحاظ سے بناتے رہتے ہیں اور ان میں سے ایک تعداد اپنے ذاتی جاہ ومنصب، مال وعزت کو قومی اور اجتماعی عزت وعظمت پر ترجیح دیتی ہے۔

کسی بھی قوم کا کردار تصوارت کی تشکیل اس کی نئی نسل کی تعلیم وابلاغ کے ذرائع سے کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں مغربی حکومتوں نے اپنے اپنے ملکوں میں بھرپور انتظام کیا اور آغاز کار ہی سے اپنے مقصد ومنتہی کو سامنے رکھا، وہ اپنی نسل کے ہر ہر فرد کو اپنی اختیار کردہ قدروں کے مطابق باعزت اور باصلاحیت انسان بنانے کو اپنے پیش نظر رکھتے ہیں لیکن ہمارا رویہ اس کے بالکل برعکس رہا، ہم تعلیم وابلاغ میں وہی طریقے اختیار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں جو مغرب کی قدروں کے مطابق انسان بناتے ہیں نہ کہ ایسا انسان جو اپنی اسلامی شخصیت سے باخبر ہو اور اپنے شاندار وعظیم ماضی سے اپنی ذہنی وابستگی رکھتا ہو اور قوموں کی اصلاح ودرستگی وبہتری کے لیے کوشش کرنے کا عزم رکھتا ہو ایسی قوت عمل کا مالک بن سکے کہ اپنی انفرادی ضرورتوں اور مقاصد کے ساتھ ساتھ نئی ملی وقومی ضرورتوں اور مقاصد کے حصول کا ذریعہ بن سکتے ہیں تاکہ اس کا ملک وقوم دنیا کی باصلاحیت وباعزت قوموں کے درمیان اپنا اونچا مقام بنا سکے۔

قارئین سے گذارش

خط وکتابت کے وقت اپنا خریداری/اعزازی تبادلہ نمبر ضرور لکھیں۔ ورنہ ادارہ جواب دینے سے معذور ہو گا۔

قسط نمبر3

جناب مولانا انوارالحق صاحب
نائب مہتمم واستاذالحدیث جامعہ حقانیہ

شہیدوں کے خون سے منور سرزمین

افغانستان میں چار دن

جلال آباد میں طالبان کے سرکردہ رہنماؤں سے ملاقاتوں کے دوران افغانستان میں تعلیمی نظام کے بحالی کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہوئی۔ معاندین ومخالفین کی مفسدانہ پراپیگنڈوں کے برعکس یہ معلوم ہوکر ہمارے حیرت کی انتہانہ رہی کہ اس بے سروسامانی، مادی اسباب کی کمی اور جنگ میں مصروف طلباء نے صوبہ ننگرہار کے اس اہم مرکزی مقام کے تقریباً تمام اہم تعلیمی ادارے جو کافی عرصہ سے معطل ہوکررہ گئے تھے کو دوبارہ فعال کرکے پورے زوروشور سے تعلیمی سرگرمیاں شروع ہیں۔ قدیم دینی ادارہ مدرسہ عربیہ نجم المدارس اور جدید علوم سے آراستہ افغانستان کی مشہور یونیورسٹی جس میں انجینئرنگ ومیڈیکل وغیرہ کے شعبہ جات کئی عشروں سے قائم ہیں، مکمل طور پر بحال ہوکر اس میں ملکی وغیرملکی طلباء حسب سابق درس وتدریس میں مصروف ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ طالبان کی آمد سے قبل اسی جلال آباد یونیورسٹی کے کرتا دھرتا اور منتظمین اسلامی نظام سے عاری، لادینی، نظریات کے دلدادہ اور پڑھنے والے طلباء مخلوط طریقہ تعلیم کی وجہ سے مردوزن کے تفریق سے بے نیاز ہوکر مکمل طورپر مغرب کے بے دین اور آوارہ تعلیمی نظام کے حصار میں پھنس چکے تھے۔ طالبان کے کنٹرول میں آنے کے بعد جہاں تمام جدید علوم کے شعبہ جات کو جاری وساری رکھا گیا وہاں اس اصول کی سختی سے پابندی کی گئی کہ حقیقی معنوں میں احکام الٰہی پر مشتمل اسلامی حکومت کے جامعات و اداروں کے سرپرست اور چلانے والے خود بھی دیندار، خوف خدا رکھنے والے اور شریعت کے پابند ہوں اور ان اداروں میں پڑھنے والوں کو دیکھنے سے معلوم ہو کہ یہ ایک اسلامی معاشرہ وملک کے رہنے والے طلباء ہیں نہ کہ روسی ومغربی افکار ونظریات کے پرستار مادر پدر آزاد معاشرہ کے صرف نام کے مسلمان ہیں۔ اس یونیورسٹی کو دیکھنے کا موقع تو نہ ملا۔ جلال آباد سے کابل کی طرف روانگی کے بعد دوچار کلومیٹر دورشہر سے باہر اس ادارہ کے بلندوبالا عمارات کی ظاہری بوسیدگی، خستہ حالی افغانستان میں پندرہ سالہ تباہی پر نوحہ کناں تھی۔

ایسا لگتا تھا کہ اس طویل عرصہ میں جو بھی تخت افغانستان پر براجمان رہا صرف اپنے اقتدار اور کرسی کو بچانے میں مصروف رہا اور ان اہم تربیت گاہوں اور اداروں کے ظاہری و معنوی ترقی کی طرف توجہ دینا تو دور کی بات ہے ان پہلے سے قائم شدہ اداروں کی مرمت اور نگہداشت کی فرصت بھی ان کو نہ مل سکی۔ جلال آباد کے حدود و مضافات سے نکل کر اب ہم کابل کے بین الاقوامی شاہراہ پر محوسفر تھے۔ یہ وہ راستہ ہے کہ کسی زمانے میں لوگ اسکی تشبیہ یورپ وعرب ممالک کے اعلیٰ معیار کے بنے ہوئے سڑکوں سے دیتے۔ مگر اب یہ شاہراہ مکمل کھنڈرات اور کھڈوں میں تبدیل ہوچکی ہے۔ ایک وقت ایسا بھی اس بین الاقوامی شاہراہ پر گزرا کہ میں اور حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب لاہور اس وقت کے پاکستان سے چلنے والے جی ٹی ایس بس میں بیٹھ کر جلال آباد سے قریباً تین ساڑھے تین گھنٹے میں کابل پہونچے۔ کسی جگہ سڑک کی ٹوٹنے اور سواری کو جھٹکے لگنے کا تصور بھی نہ تھا مگر اب اپنے ہم مذہب برائے نام مسلمانوں اور ان کے کمیونسٹ آقاؤں نے تیرہ سالہ یلغار کے دوران نہ صرف اسلامی افکار کو ختم کرنے کی کوشش کی بلکہ تمام فلاحی ورفاہی اداروں حتیٰ کہ شاہراہوں تک کے نام ونشان بھی مٹادئے اب تو نہ اس شاہراہ پر ڈرائیور آسانی سے گاڑی چلاسکتا ہے اور نہ پختہ سڑکوں پر سفر کرنے والا عادی مسافر کابل تک سفر کرنے کی صعوبت برداشت کرسکتا ہے۔ طالبان کے اپنے ملک میں اسلامی نظام کے اجراء کا صدمہ نہ صرف اسلام دشمن ممالک کو ہوا بلکہ پچاس کے قریب دنیا کے نقشے پر پھیلے ہوئے نام نہاد اسلامی ممالک بھی ان کو اپنے بیرونی آقاؤں کے اشارے پر امداد دینا، سڑکوں کی دوبارہ تعمیرومرمت میں تعاون تو درکنار سوائے پاکستان، سعودی عرب امارات کے تسلیم کرنے کے لئے بھی آمادہ نہیں۔ طالبان کو اسلامی جذبہ سے عاری دشمنوں نے ایسے معرکوں میں الجھایا ہوا ہے کہ ان کے پاس اس شاہراہ کے بڑھے بڑھے کھڈوں میں صرف مٹی اور ریت ڈال کر بھرنے کے نہ مواقع ہیں اور نہ وسائل۔ بہرحال محبوب صلعم کے لائے ہوئے شریعت کے نفاذ میں جو برکات، سکون وامن ہے اور سڑک کے اردگرد رہنے والے باسیوں اور اس شکستہ راہ پر شرعی نظام کے دلدادہ مہمانوں کے چہروں پر خوشی اور طمانیت کے جو آثار نمایاں ہوتے ہیں، وہ ترقی یافتہ ملکوں کے جدید ترین وپرآرائش شاہراہوں کے مسافروں اور نہ ان کے اردگرد کے مکینوں کے چہروں پر نظر آتی ہے۔ کابل پہونچ کر معلوم ہوا کہ ملک کے دیگر آمدورفت کے راستے تو اس بھی ابتر ہوچکے ہیں۔

جلال آباد سے نکلتے وقت ارادہ یہی تھا کہ شہر سے باہر نکل کر ظہر کی نماز ادا کریں گے۔ جلال آباد سے کابل تک تقریباً اکثروبیشتر سڑک دریائے کابل کی ساتھ ساتھ گزرتا ہے جسکا اپنا ایک

عجیب منظر ہے۔ جلال آباد شہر سے چند کلومیٹر اسی دریائے کابل پر ایک چھوٹا سا ڈیم ہے جس سے جلال آباد اور اردگرد کو بجلی کی سپلائی کی جاتی ہے، کے کنارے رک کر ظہر کی ادائیگی کا بعض ساتھیوں نے ارادہ کیا مگر حضرت مولانا سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ کا طالبان تحریک کے دوران ان راہوں پر بار بار گزر رہتا ہے ان راستوں کے پیچ وخم سے وہ ہم سے زیادہ واقف تھے ان کے مشورہ پر اس ڈیم سے بیس پچیس کلومیٹر اور آگے کابل کی طرف جاکر سڑک کے کنارے ایک ہوٹل میں گاڑیاں روکدی جس کے متصل دریائے کابل کا دودھیا شفاف پانی بہہ رہا تھا تمام ساتھیوں نے دریا میں وضوکر کے اسی ہوٹل کے احاطے میں بنے ہوئے کچے چبوترہ نما مسجد میں نماز ظہر ادا کرلی۔

افغانستان میں جیسا کہ رواج ہے کہ لوگ دودھ اور چینی کے بغیر چائے وقہوہ کا استعمال کرتے ہیں اور کثرت سے پیتے ہیں۔ دودھ ملے چائے کا تصور سرے سے ہے ہی نہیں۔ ہم بھی بامر مجبوری اسی چائے پر اکتفاکر کے اگلے منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ اسی راستے میں کچھ دیر سفر کرنے کے بعد سڑک کے کنارے کچھ پتھر وغیرہ رکھ کر اسپر ایک جھنڈا لہرا رہا تھا کے بارے میں بعض ان شریک سفر ساتھیوں سے پوچھا جو اس سے پہلے بھی کابل کے سفر کر چکے تھے۔ انہوں نے بتایا سروبی اور کابل پر چڑھائی کرنے والے طالبان کے شہرۂ آفاق کمانڈر ملابرجان کے ٹینک پر اسی جگہ توپ کا ایک گولہ گر کر انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ملابرجان مرحوم کے اس جہاد کے دوران کارنامے اور ہر محاذ پر سب سے آگے رہ کر دشمن کو تہہ تیغ کرنے کے واقعات عام وخاص کو معلوم ہیں۔ یہ وہی ملابرجان ہیں جس نے مستحکم ترین علاقوں کو باآسانی فتح کر کے سروبی اور کابل کو دشمنوں کے تسلط سے آزاد کرانے کا عزم لیکر سروبی کے قریب ہی پہونچے تھے کہ مالک اجل نے ان کو اپنے پاس بلالیا۔ طالبان کے لشکر کو ان کے عزم واستقلال اور دینی حمیت وشجاعت پر اتنا اعتماد تھا کہ شہادت کے بعد اسکے قریبی ساتھیوں نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ اسکے وفات کی اطلاع سے کہیں مجاہد طالبان کے حوصلے کمزور نہ پڑجائیں۔ کچھ دیر کیلئے ان کی شہادت کے خبر کو مخفی رکھ کر ان کا ٹینک بدستور سروبی کی طرف رواں دواں رہا اور طالبان سمجھتے رہے کہ مجاہدین کے قافلہ کی قیادت بدستور ملابر جان کر رہے ہیں۔ جب طالبان نے سروبی فتح کرلیا تو اس کے وفات کی اطلاع اسکے کمانڈ میں آنے والے مجاہدین کو دیگئی۔ طالبان کے جہاد و مساعی کا مقصد صرف اورصرف افغان زمین پر شریعت کا نفاذ اور کلمۃ اللہ کی سربلندی ہے۔ اس راہ میں کوئی حادثہ یا بڑھے سے بڑھا واقعہ ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کرسکا، چنانچہ اس صدمہ جان کاہ موقع پر ان کے عزم اور جذبہ میں لغزش اور کمزوری کے بجائے مزید قوت واستحکام پیدا ہوا۔ ملابرجان کے شجاعت وکارناموں کا ذکر جاری تھا

کہ ہم سروبی کے حدود میں داخل ہوگئے۔

سروبی پہاڑوں کے درمیان گھرا ہو وسیع عریض علاقہ ہے۔ جس کے چاروں طرف آسمان کو چھونے والے پہاڑ اور ان پہاڑوں پر مخالف فریق کے طرف سے بنے ہوئے قلعہ بند، مورچے اور ہر قسم کے جدید سامان حرب جسکے بارے میں بڑے بڑے ماہرین جنگ، تجزیہ نگاروں کی رائے، اندازے اور تبصرے یہی تھے کہ طالبان اگر تمام افغانستان کو دشمن کے آھنی پنجہ سے آزاد بھی کرلیں مگر سروبی کو طالبان مخالف قوتوں نے اس انداز سے دفاعی طور پر سیل کیا ہوا تھا کہ اسے فتح کرنا طالبان کے روگ کی بات نہ تھی کیونکہ کابل تک رسائی کیلئے اسی چاروں اطراف سے محیط علاقہ کے درمیان گزرنے والے شاہراہ کے ذریعہ آگے جانا ہوگا۔ مگر انسان کے اپنے تدابیر او مالک الملک کے اپنے فیصلے جسے انسانی تدابیر سے نہ بدلہ جاسکتا ہے۔ اور نہ اس کا ٹالنا ممکن ہے۔ اس قادر مطلق ذات نے اس طبقہ فقراء وبوریہ نشینوں کے ہاتھوں جو صرف دین الہیٰ کے سربلندی کے خاطر سفید پرچم اٹھا کر اپنے مقدس جانوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کیلئے نکلے تھے۔ بڑے بڑے برجوں کو الٹنا تھا دیکھتے ہی دیکھتے اس قلعہ بند علاقے کو مکمل طور پر فتح کرکے تیزی سے آگے بھی نکل گئے۔ یہ ایسے مقامات ہیں جہاں پر ایک مسلمان تائیدایزدی کے ناقابل تصور واقعات کو دیکھ کر اس کا اللہ کے ارشاد "ان تنصـر اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم" پر یقین مزید مستحکم ہوجاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کے آزاد کرنے کے بعد تجزیہ نگاروں اور پیش گوئی کرنے والے اصحاب کو اپنے پہلی والی رائے کو بدل کر اعتراف کرکے یہ کہنا پڑا کہ ظاہری اسباب وسائل کے اعتبار سے سروبی کو زیر کرنا ناممکن تھا۔ طالبان کی یہ کامیابی صرف اور صرف باری تعالیٰ کے غیبی نصرت ہی کا نتیجہ ہے۔ سروبی میں دریائے کابل پر بجلی کا مشہور ڈیم ہے جس سے سروبی اور اس کے اردگرد علاقوں بلکہ کابل کے اکثر حصوں کو بھی بجلی کی سپلائی کی جاتی ہے۔

سروبی اور اسکے مضافات سے نکلنے کے بعد پہاڑوں کا ایک دشوا گزار سلسلہ شروع ہوکر کابل نظر آنے تک یہی پہاڑی خمدار اور پیچ درپیچ راستہ پر چڑھنا ہوتا ہے جسے ریشمین تنگے کہا جاتا ہے۔ اس کٹھن اور دشوار ترین راستہ پر جبکہ دشمن اوپر پہاڑوں پر مورچہ زن ہوکر قابض ہو اور مجاہدین کو نیچے سے انہیں پہاڑوں کے اوپر ایک تنگ سڑک کے ذریعے دشمن کے توپ وتفنگ اور مائنز سے بھرپور راستہ کے ذریعہ چڑھنا ہو یہ کابل تک ہونے والے جنگ کا خوفناک، ناقابل تصور اور مشکل ترین مرحلہ ہے۔ جلال آباد سے کابل تک سارے شاہراہ پر دشمن نے بے شمار بارودی سرنگوں

کا ایک جال بچھایا ہوا تھا اور یہ پہاڑی سلسلہ تو گویا مکمل طور پر بارود کے ایک ڈھیر کی شکل اختیار کرکے طالبان کو اسے عبور کرکے کابل تک رسائی حاصل کرنی تھی اس ناممکن مہم کے سر کرنے کا اندازہ وہ لوگ آسانی سے کرسکتے ہیں جو اپنے آنکھوں سے خوداس جگہ کا معائنہ کرلیں۔ ہم اپنے گاڑیوں کے ذریعے اس راستے پر چڑھ کر اوپر ایک موڑ پر نیچے دیکھنے کیلئے رک گئے، گاڑیوں سے اتر کر جب کئی ہزار فٹ ڈھلوان والے سڑک کا مشاہدہ کرنے لگ گئے تو بعض ساتھیوں کے تاثرات تھے کہ اگر ظاہری بے سہارا اور فقراء جماعت طالبان کے ساتھ رب کائنات کا خصوصی کرم وامداد نہ ہوتا تو دشمن کے اتنے مضبوط محاذ اور خط کو توڑ کر ان پہاڑی راستوں اور سلسلوں پر قبضہ کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے۔ کیونکہ اگر اوپر کھڑے چند آدمی ہاتھوں میں کلاشنکوف تو کیا پتھر بھی لے کر نیچے سے اوپر کے طرف چڑھنے والوں کیلئے رکاوٹ بنناچاہیں تو اوپر کی طرف کسی کو آنے کی قطعاً ہمت نہیں ہوسکتی۔ مگر یہاں تو معاملہ بالکل برعکس اوپر ہزاروں مسلح افراد ہر قسم کا مہلک اسلحہ، ٹینک، راکٹ لانچر اور نیچے سے آنے والے چند صد طلباء جن کے ساتھ واجبی اسلحہ اور سواریاں بھی نہ تھیں مگر اللہ کے ہاں جب اپنے دین کے اعلاء کیلئے ایک جماعت کی جذبہ ایمانی، غیرت ملی اور قربانی قبولیت حاصل کرلے تو وہاں معاملہ ظاہری اسباب ووسائل کا نہیں بلکہ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ کا ہوجاتا ہے اور ایمانی جذبہ سے معمور چند افراد کے راہ میں ہزاروں کی تعداد میں دشمن کی فوج اور ان کے آلات حرب تو کیا بڑے بڑے پہاڑ بھی حائل نہیں ہوسکتے۔ واقفین حال سے یہی معلوم ہوا کہ یہاں پر دشمن کے ہزاروں فوجی باوجود کثرت ومادی وسائل کے چند نہتے اور معمولی اسلحہ سے لیس طلباء کو دیکھ کر ان پر ایسا رعب طاری ہوا کہ بغیر لڑائی لڑے کابل کی طرف افراتفری کے عالم میں بھاگ کر اسلحہ وبارود کے بھرے ٹرک اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ اور کئی طلباء نے ان راستوں پر بچھائے ہوئے بے شمار بارودی سرنگوں کو ہٹانے کیلئے اپنے مقدس نفوس کی قربانیاں دیکر عالم اسلام کے تاریخ میں ایک نیاباب رقم کردیا۔ یہی وہ ایمانی غیرت و حمیت ہے کہ اگر آج بھی دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے مظلوم ومجبور مسلمان اپنالیں تو " انتم الاعلون ان کنتم مومنین " کا مصداق بن کر ہر ظالم وجابر قوت کو شکست وریخت سے دوچار کرسکتے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے دنیا کے کروڑوں مسلمان اغیاروکفار کے کاسہ لیس بن کر ان کا جذبہ جہاد سردہوکر رہ گیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اسلام دشمن قوتیں تو اسلام کے خوف سے مسلمان کے خلاف ہر جگہ متحد اور مسلمان افتراق وانتشار کا شکار ہوکر روزبروز پستی ذلت کی طرف دھکیلتے جارہے ہیں۔ عصر کے قریب پہاڑوں کے طویل سلسلہ کے وسط میں بجلی کے پاور ہاؤس

ماہیپر پہونچے یہ کابل کو بجلی کی رسائی کا مکمل واحد ذریعہ ہے ۔ جہادی احزاب کے آپس میں کشت وخون کے دوران یہ مقام بین الاقوامی ذرائع ابلاغ میں کافی شہرت حاصل کرچکا تھا ۔ جسکی وجہ یہ تھی کہ جو فریق بجلی کے اس اہم رسدگاہ پر قابض ہوجاتا وہ مخالف فریق جس کا غلبہ کابل شہر پر ہوتا کے دشمنی میں یہیں سے بجلی کی رسد منقطع کرکے پورے کابل شہر کو کئی کئی مہینے بجلی سے محروم کردیتا ۔ پاورہاؤس کے اندر ایک ہال میں نماز کے لیے چبوترا بنا ہوا تھا اسی جگہ ساتھیوں نے عصر کی نماز ادا کرکے اس وسیع وعریض عمارت پر تباہی وبربادی کے جو آثار نمایاں تھے اس کو دیکھنے میں مصروف ہوگئے ۔ افسوس اور حیرت کا مقام یہ کہ اپنے ہم وطن مسلمانوں نے آپس کی لڑائیوں کے دوران اس عوام الناس کے رفاہی ادارہ کو بھی نہ بخشا اور تمام عمارت اسکی مضبوط قلعہ نما دیواریں گولیوں کا نشانہ بن کر چھلنی کا منظر پیش کررہی تھیں ۔ یہ تو اللہ کی مہربانی تھی کہ پاورہاؤس کے جنریٹر ودیگر آلات اس آگ برسانے والی تباہی سے محفوظ رہ کر بجلی کے پیداوار کو اب بھی طالبان گورنمنٹ نے بڑی تیزی سے بحال کردیا تھا ۔ وہاں موجود عملہ کے زبانی معلوم ہوا کہ طالبان جانباز جب اس جگہ کو فتح کرنے کے قریب تھے تو یارلوگوں نے ان کی پیش قدمی کے خوف سے اس ڈیم اور پاورہاؤس کو اڑانے کیلئے ایک مخصوص جگہ بارود ودیگر تباہی کا سامان رکھ دیا تھا ۔ مگر طالبان کی آمد کا سن کر اس تیزی سے واپس بھاگنے میں عافیت سمجھی کہ ان کو اس تباہ کن ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ہی نہ مل سکا ۔ اگر ان کو ذرا بھی موقع ملتا تو نہ صرف یہ اہم منصوبہ تباہ ہوجاتا بلکہ اس کے ریلے میں اپنے ہی مسلمان موت کے منہ میں پہونچ جاتے ۔ اور سینکڑوں بستیاں اجڑکر یہ سیلابی اس سیلابی ریلے سے بدقسمت قوم مزید تباہی سے دوچار ہوجاتی ۔ مہیپر سے آگے پکے سڑک کے نشانات نظر آنے لگے پہاڑوں کا طویل وعریض سلسلہ ختم ہوکر افغانستان کے سرزمین پر قائم اسلامی سلطنت کے پایہ تخت " کابل " کو پہونچنے کا مرحلہ اب قریب تھا ۔ رفقاء انتہائی بے چینی اور ایمانی جوش وولولہ سے تھکا دینے والے سفر کے کلفتوں کو بھول کر سب کی نظریں دنیا کے نقشے پر ابھرنے والے ایک حقیقی اسلامی خطہ اور ملک کے دارالخلافہ کو دیکھنے کیلئے بے چین تھیں ۔ کابل کے حدود شروع ہونے پر سڑک کے درمیانی ایک بیریئر یعنی پھاٹک پر ہمیں روک کر وہاں ڈیوٹی پر موجود چند طالبان جن کے چہروں پر نورانی داڑھیاں ، سروں پر عمامے اور ہاتھوں میں اسلحہ لئے ہوئے تھے ۔ مختصر سی تلاشی لیکر ہمیں کابل میں داخل ہونے کی اجازت دی ۔ جلال آباد سے کابل تک یہی ایک پھاٹک کا ہمیں سامنا کرنا پڑا ، جس میں موجود اسلامی شعائر سے سرشار مجاہدین نے نہ ہمیں تنگ کیا نہ کسی سے رقم وپیسوں کا مطالبہ کیا اور نہ لوٹا ۔ حالانکہ اس شاہراہ پر طالبان کے آمد

سے قبل سابقہ جہادی قوتوں کے ہر کمانڈر نے قدم قدم پر اپنا سٹیٹ قائم کرنے کے بعد بے شمار چوکیاں، رکاوٹیں اور بیریرز بناکر کابل سے طورخم اور طورخم سے کابل جانے والی ہر گاڑی اور مسافر سے بزور اسلحہ سب کچھ چھیننے کے واقعات کیوجہ سے افغان قوم کے ایک ایک شہری اور ٹرانسپورٹ کیلئے اس بین الاقوامی شاہراہ پر سفر موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ ایک ایک ٹرک سے ہر پھاٹک پر ہزاروں بلکہ لاکھوں افغانی روپے بطور محصول لے کر اس سڑک کو عبور کرنا معمول بن چکا تھا۔ راتوں کو تو اس راستے پر سفر کرنے کا تصور بھی نہ تھا۔ نہ جان کی حفاظت کا بندوبست اور نہ مال کا۔ بلکہ جان ومال کے حفاظت کے نام پر سڑک پر رکاوٹیں قائم کرنے والے ڈاکو ولٹیرے بن کر اپنے ہم وطن مسلمانوں کے مال ومتاع کو لوٹتے رہے، اور اب شرعی نظام کی اجراء وحدود کے نفاذ سے ایسی پرامن فضا قائم ہوچکی ہے کہ دن رات بلاروک ٹوک آمدورفت جاری ہے۔ کاش اگر پاکستانی ارباب اقتدار واختیار بھی اگر اسلام کے قانون حدود وقصاص پر صدق دل سے عمل پیرا ہوکر اسکے تنفیذ کا اعلان کردیں تو سڑکوں پر بے دریغ لوٹ مار، قتل وغارتگری، دہشت گردی اور فتنہ وفساد کا مختصر وقت میں سدباب ہوکر یہ مملکت خداداد بھی امن وآشتی کے نعمت سے مالامال ہوسکتا ہے۔ طالبان کے معائنہ چوکی سے روانہ ہوکر کابل کے (ابتدائی علاقہ پل چرخی اور اسکے بعد انڈسٹریل سٹیٹ پر مشتمل ہے) کے حدود میں ہم داخل ہوئے۔ سورج غروب ہونے کو تھا پروگرام یہ بنا کہ نماز کابل کے مشہور جامعہ مسجد پل خشتی پہونچ کر پڑھنا ہے۔ اسی جلدی کیوجہ سے کسی اہم جگہ کو رک کر دیکھنا تو ممکن نہ تھا سڑک پر چلتے ہوئے اردگرد کے تاریخی، واقتصادی اہم مقامات خصوصاً کارخانہ جات کے تباہی اور کھنڈرات میں تبدیل ہونے کے مناظر سے وفد میں شامل تمام حضرات کے دل بےحد رنجیدہ ہوئے۔ (جاری ہے)

ضروری اطلاع

خریداران "الحق" سے مؤدبانہ گذارش کی جاتی ہے کہ خصوصی شمارہ کی ضخامت اور کثیراخراجات کے پیش نظر آپ مزید مبلغ ۲۰ روپے یا ۲۰ روپے کے ڈاک ٹکٹ ناظم الحق (نثار محمد) کے نام ارسال کریں۔ امید ہے کہ آپ دینی ادارہ کے ساتھ تعاون فرمائینگے۔ (شکریہ) ادارہ

بریدِ فرنگ

مولانا عتیق الرحمان سنبھلی (لنڈن)

مغربی ترقی پسندی کی "معراج"
چرچ اور اسلامک سنٹرز کیلئے ایک چیلنج؟

یہ گراں قدر رپورٹ ہمیں تقریباً ایک ماہ پہلے موصول ہوئی تھی لیکن خصوصی شمارہ کے پیش نظر ماہ اگست کے شمارہ میں شامل نہ ہوسکی اور پھر بعد میں ایک عبرت آمیز واقعہ پیش آیا یعنی چارلس کی طلاق یافتہ بیوی لیڈی ڈیانا جو اس کی داشتہ کمپلا پارکر کیوجہ سے چارلس سے علیحدہ ہوگئی تھی اور پھر آخرکار فرانس میں کارحادثے میں ہلاک ہوگئی۔ اس رپورٹ کے پس منظر میں لیڈی ڈیانا کی علیحدگی کے وجوہات اور مغرب کے متضاد زندگی کے بارے میں معلومات کے ساتھ ساتھ دیارفرنگ کی عائلی زندگی کی بھیانک تصویر سے پردہ کشائی کی گئی ہے۔ (ادارہ)

کل ذراسی دیر کیلئے اپنے محلے کی لائبریری میں گیا تو اخباری دنیا کی سیر کیلئے یہاں سے دو اخبار اٹھالیے۔ ڈیلی ٹیلیگراف اور انڈی پینڈینٹ۔ دونوں کے صفحہ اول پر برطانیہ کے ولی عہد بہادر شہزادہ (واقعے میں ملکہ زادہ) چارلس اور انکی معروف جہاں داشتہ (کمپلاپارکر) کی تصویریں سجی ہوئی تھیں ان خاتون کو معروف جہاں میں نے اس لیے کہا کہ ولی عہد بہادر کی شادی کے طلاق کے انجام پر پہنچنے کا ساری دنیا میں ڈھنڈورہ پیٹ چکا ہے۔ اور اسکے سبب میں ان خاتون سے ولی عہد کے ماورائے شادی تعلقات کا خوب خوب ذکر ہوا ہے۔ الغرض خبر یہ تھی کہ شہزادہ بہادر نے اس نیک خاتون کے پچاسویں سالگرہ کی تقریب کا اپنے یہاں اہتمام کیا ہے۔ جس میں ڈیڑھ سو خصوصی مہمان شریک ہوئے۔ یہاں بیس سال گزار لینے کی وجہ سے یہ خبر کچھ ایسی اہم نہ تھی، جو چیز اپنی نظر میں اس کی اہمیت کا باعث ہوئی وہ اس کے اندر کی دوسری خبر تھی۔ کہ سب سے پہلے پہنچنے والی مہمان تو خود صاحبہ تقریب تھی۔ اور دوسری نمبر پر جو شخصیت اس تقریب میں شرکت کیلئے پہنچی وہ تھے آں محترمہ کے سابق شوہر (مع اپنی دوسری اہلیہ کے) بیس سال رہنے کے باوجود یہاں تک ہماری رسائی ابھی نہیں ہوئی تھی کہ اس معاشرہ میں ترقی پسندی اس درجے کی ہے، کہ جو عورت ایک شخص کی عقد میں رہتے ہوئے دوسرے کے ساتھ باقاعدہ ملوث ہونے کا شہرہ پائے۔ اور پھر اپنی داشتگی کو ترجیح دیتے ہوئے شوہر سے طلاق حاصل کرلیتی ہے، اس کا سابق شوہر اس داشتگی کا عروج دیکھنے کیلئے پہنچنے والوں میں سب سے پہلا ہوتا ہے۔

ع خامہ انگشت بدنداں ہے اس کیا لکھئیے

اس کے بعد خبر کا اگلا جز کوئی خاص اہم نہیں رہ جاتا، کہ محترمہ کے والدماجد بھی شریک محفل تھے۔ یہاں والدین کے لئے ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں کا بادشاہ چرچ آف انگلینڈ سربراہ بھی ہوتا ہے، اور ولی عہد کا مطلب ہے آئندہ کا بادشاہ۔ اور یہ طرز زندگی چرچ کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ پس چرچ کے لوگوں کے لئے ناگزیر ہے کہ اس مسئلے میں بولیں، چنانچہ جب سے یہ مسئلہ کھلا ہے چرچ والے کچھ نہ کچھ کہتے ہیں۔ کل کی خبر کے ساتھ خود اس چرچ کے پادری کا بیان بھی تھا، جس کے علاقے میں یہ تقریب ہو رہی تھی، کہ ولی عہد کو تحت یاداشتا میں سے ایک کو اختیار کرنا ہوگا اگلے دن ایک بڑے عہدیدار کا یہی بیان آیا مگر چرچ آف انگلینڈ کا جو ESTABLISHMENT ہیں یعنی پالیسی ساز اور پالیسی پر اثر انداز لوگ ان کا روایہ ایسے دوسرے تمام معاملات کا برابر صلح جوئی یعنی یہ کہ وہ مزاحم نہ ہونگے اور ولی عہد کو اس کھلی بدی کے ساتھ بھی بادشاہت اور پھر اپنی سربراہی کیلئے قبول کیا جائے گا۔ اس ذیل میں ایک لطیفہ یہ ہے کہ ایک صاحب یہاں بشپ کے عہدے پر اپکے یہاں سے نذیرعلی نام کے بھی تھوڑے دن سے آگئے ہیں۔ انہوں نے تصفیہ کیلئے یہ نکتہ اٹھایا کہ معاملے کا ایک پہلو آئینی ہے، ایک اخلاقی سربراہی کا تعلق آئین ملک سے ہے اور یہ فعل داشتہ گیری ایک اخلاقی معاملہ ہے۔ گویا ہم شہزادے کو آئینی سربراہ کے طور پر قبول کرسکتے ہیں جبکہ انہیں چرچ کی اخلاقی تعلیمات میں ہم اپنا مقام نہ دیں گے۔ یہاں پر پہنچ کر یہ خیال آیا ہے کہ ولی عہد بہادر کا یہ قصہ چرچ آف انگلینڈ ہی کیلئے نہیں خود ہمارے لیے بھی کسی درجے میں ایک مسئلہ پیدا کردیا ہے یعنی یہ کہ موصوف ہمارے ایک نامور اسلامی ادارے (آکسفرڈ سنٹر آف اسلامک اسٹڈیز) کے بھی تو سرپرست ہیں؟ بلکہ چرچ کیلئے تو یہ قصہ مستقبل کا ہے جبکہ ہمارے لیے ماضی کا! نہیں معلوم کہ ہمارے اس ادارے کے نامور ذمہ دار اس مسئلے کو کس طرح سوچ رہے ہیں؟ اور وہی کہا، آپ حضرات جو اپنی جگہ پر اپنے ادارے کی وجہ سے ایک دینی مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو بھی ایسے معاملات میں کوئی رہنمائی اپنائی ہوگی کہ ایک طرف یہاں کی مسلم اقلیت کا بظاہر مفاد ان لوگوں کی سرپرستی بنائے رکھنے میں ہے اور دوسری طرف سوال ایسے معاملات میں اسلام کے معروف نقطۂ نظر اور روایات کا ہے۔ ایسے مسائل چونکہ یورپ اور امریکہ میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے زیراثر برابر سراٹھائیں گے اس لئے ضروری ہے کہ ہماری دینی رہنمائی کا منصب رکھنے والے ادارے اس بارے میں اصولی رہنمائی دیں۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

حافظ راشدالحق حقانی

ذوق پرواز

قسط (7)

سفر نامہ یورپ

لیئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب
جادۂ راہ کشش کاف کرم ہے ہم کو

انگلستان میں قیام کے دوران ایک دفعہ ایک چھوٹے شہر میں جانا ہوا، ساتھ ہی ایک چرچ نظر آیا۔ " جستجوء طلب " اس طرف بھی لے گئی اور کلیسا کی "چوکٹ" کو بھی پار کرلیا۔ کہ یہاں کیا کچھ ہورہا ہے ؟ کلیسا میں صرف معمر افراد کی بھیڑ تھی، کیونکہ نوجوان نسل کلبوں میں ہوتی ہے۔ نئی نسل مذہب چرچ ، بائبل وغیرہ کو فرسودہ سمجھتی ہے۔ چرچ میں بڑے بڑے مجسمے تھے۔ جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم اور سینٹ پال کے مجسمے خصوصیت کے ساتھ نصب تھے۔ ہال کے اندر کوئی سو ڈیڑھ سو کے قریب افراد کسی دھن پر اپنے مذہبی گیت گا رہے تھے۔ کلیسا ان کے شور وغل اور ہنگاموں کی گونج سے لرز رہا تھا۔ چرچ میں رنگ وروغن ، نقش آرائی اور نغمہ پیرائی زوروں پر تھی۔ اور درمیان میں بڑی بڑی شمعیں شمع دانوں میں جل رہی تھیں۔ لیکن یہ " حقیقی" روشنی سے خالی تھیں۔ ان سے ہدایت کی لونہیں آرہی تھی بلکہ ضلالت وگمراہی کا دھواں تھا جو یہاں ہر سو پھیلا ہوا تھا۔ کلیسا میں ایک جانب پینٹنگز بنانے کیلئے ایک خاص قسم کے کاغذ بیچے جارہے تھے ، جن پر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام کی تصاویر بنا رہے تھے دیکھئے ان لوگوں نے کلیسا میں بھی سوداگری کا بازار گرم کررکھا ہے۔اور ان کی سرپرستی خود ارباب کلیسا کررہے ہیں۔ ع کلیسا کی ادا سودا گرانہ

کلیسا اپنی تمام تر ہنگامہ آرائی اور زیب وزینت کے باوجود مسجد کی سادگی وقار تمکنت کا مقابلہ نہیں کرسکتی ، نہ ہی اس میں وہ زمزمۂ قرآنی کی لذت ہے اورنہ نغمہ توحید کی لے ہے۔ مسجد

کی گھاس کی بنی ہوئی چٹائیاں اور کھجور کے چھالوں کی صفیں ان قیمتی بینچوں پر بھاری ہیں۔

ع غریب وسادہ و رنگیں ہے داستان حرم

اس گھٹن کی فضاء نے تھوڑی ہی دیر میں یہاں سے نکلنے پر مجبور کیا، اور میرے ہی طرح ہر شخص کے چہرے پر بیزاری کے علامات نمایاں تھے، انسانوں کو چھوڑیئے حتیٰ کہ جمادات، نباتات بھی افسردہ تھے چنانچہ وہ بھی میرے ساتھ اس بزم پریشاں سے سبک سری کے ساتھ باہر کھلی فضاء میں نکل آئے

ے بوئے گل نالۂ دل دود چراغ محفل

جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

لنڈن میں ایک عیسائی راھب سے سر راہ دلچسپ ملاقات :۔

لنڈن میں بارکینگ میں اپنے رشتہ داروں کے ہاں مقیم تھا۔ یہ ۱۹۹۳ء کی بات ہے۔ ایک دن چلتے چلتے راستے میں ایک نوجوان لڑکا ملا۔ اور اس کے ہاتھوں میں کوئی کتاب تھی۔ اور وہ اس سے کھیل رہا تھا۔ اس نے ہم سے کہا ایکس کیوزمی! میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ میرے دوست جو وہیں رہتے ہیں۔ نے کہا کہ سوری وی آر دی مسلم۔ اور مجھے اندازے سے بتایا کہ یہ چرچ کا بندہ ہے۔ اور یہ گشت اور تبلیغ پر ہے۔ اس سے جان چھڑاؤ۔ میں نے کہا کہ نہیں ٹھرو یہ کیا کہنا چاہتا ہے؟ اس لڑکے نے کہا کہ میں چرچ سے آیا ہوں آپ لوگوں کو اس "ہولی بک" (مقدس کتاب بائبل) کے چند چیپٹرز سناتا ہوں۔ میرے دوست نے کہا کہ تم جو اس کتاب میں سے سناؤ گے میرا یہ دوست (راقم) اپنی مذہبی کتاب (قرآن) کا حافظ ہے۔ یہ سن کر اس لڑکے کو یقین نہیں آرہا تھا کہ کوئی اتنی بڑی کتاب زبانی یاد کرسکتا ہے؟ وہ بولا ایم پاسیبل۔ درحقیقت اس کا یہ عتراض اپنی ملت پر قیاس کیوجہ سے برحق تھا۔ کیونکہ پوری دنیا میں ایک بھی عیسائی "حافظ انجیل" نہیں۔ بہرحال اس نے تعجب اور حیرت میں میرا امتحان لینا چاہا۔ کہ تمھاری مذہبی کتاب مریم اور جیسز(عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں کیا کہتی ہے؟ میں نے اس کو بتایا کہ تم صرف ذکر کا پوچھ رہے ہو۔ حالانکہ قرآن میں حضرت مریم کے متعلق پوری سورۃ (سورۃ مریم) موجود ہے۔ میں نے اس کو بتایا کہ ہم تثلیث کے قائل نہیں۔ ہم فرزندان توحید ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول تھے۔ اور قیامت قائم ہونے سے پہلے محمدؐ کی امتی بن کر دوبارہ زمین پر تشریف لائینگے۔ میرے دوست نے اس کو انگلش میں میری بات مزید تفصیل کیساتھ سمجھائی۔ میں نے اس کو کہا کہ یہ قرآن اور اسلام کی حقانیت ہے کہ یہاں لنڈن میں بارکینگ کے فٹ پاتھ پر تم سے ایک حافظ قرآن مل رہا ہے۔ ایسے میری طرح لاکھوں، ہزاروں مسلمان انگلستان سمیت پوری دنیا میں

پھیلے ہوئے ہیں ۔ جن کے سینوں میں قرآن پاک کی شمعیں فروزاں ہیں ۔میں نے اس کو یہ بھی بتایا کہ تم اپنی مذہبی کتاب کیساتھ کھیل رہے ہو اور ہم اپنی مذہبی کتاب کو سینے سے لگا کر محفوظ رکھتے ہیں ۔ میری گفتگو سننے کے بعد اسکے چہرے کی کتاب پر کئی مدوجزر ابھرے ، اور حیرت تذبذب اور شک اور بیچارگی ۔کے کئی رنگ آتے جاتے رہے ۔ اس کو چلنے کی جلدی پڑگئی ۔اب میں نے دوبارہ اس سے ملنے کی خواہش کی لیکن آگے سے کوئی جواب نہیں ملا ۔

برصغیر میں مغربی قوتوں کی آمد اور ان کا غاصبانہ تسلط :-

برصغیر کے ساحلوں پر انگریز سولھویں صدی میں نورالدین محمد جہانگیرؒ کے دور حکومت میں ہندوستان میں داخل ہوئے ۔ اور شروع میں انہوں نے تاجروں کا روپ اختیار کیا ۔ آہستہ آہستہ یہ گورے ایسٹ انڈیا کمپنی کی صورت میں یہاں پر اپنا تسلط قائم کرنے لگے ۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہاں کے بااثر اور صاحب حیثیت لوگوں سے رسم وراہ بڑھائی اور خصوصاً انہوں نے ضمیر فروشوں کی ایک بہت بڑی تعداد تیار کرلی ۔جن سے انہوں نے اپنے مقاصد کے حصول میں بڑی مدد حاصل کی ۔ بعد میں انہی لوگوں کو انہوں نے بڑی بڑی جاگیریں ، زمینیں اور خطابات عطا کیئے ۔ دراصل برصغیر میں انگریزوں کی آمد سے پہلے یورپ کے ایک اور چھوٹے سے ملک پرتگال کے باشندوں نے ہندوستان کو اپنی کالونی بنالیا تھا ۔ پرتگال کے بادشاہ نے ہندوستان کا سمندری راستہ تلاش کرنے کیلئے واسکوڈے گاما (1460-1524) کو اس بحری مشن کو سر کرنے کیلئے ہندوستان بھیجا ۔ جس نے دس ماہ کی مدت میں ہندوستان کا سمندری راستہ(راس امید) افریقہ کے گرد چکر لگاکر دریافت کیا اور ۲۰ مئی ۱۴۹۸ء میں ہندوستان کے بڑے تجارتی مرکز کالی کٹ کے ساحلوں پر پہنچا ۔ یہاں کے حکمران(زامورن) نے اس کا خیر مقدم کیا ۔ واسکوڈے گاما کچھ عرصہ یہاں رہا ۔ اور ہندوستان کی سرسبز وشاداب سرزمین اور اسکے قدرتی ذخائر اور معدنیات پر اسکی بری نظر پڑی ۔اور انہوں نے خصوصاً گوا پر ۱۵۱۰ء میں مکمل قبضہ کرلیا بعد میں یہ اگست میں واپس ہوا اور پھر دوبارہ مکمل تیاری کےساتھ ۱۵۲۴ء میں ہندوستان میں پہلا وائسرائے ہند مقرر ہوا ۔ اس ظالم انسان نے ہندوستان کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا ، اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے مسلمانوں کی تجارت پر بڑا برا اثر ڈالا ۔ اور مسلمان ممالک کو کافی نقصان پہنچایا ۔ واسکوڈے گاما نے مشرق ومغرب کے درمیان ایک مختصر راستہ دریافت کرلیا تھا ۔ اور یوں مغرب کو آسان قیمتوں پر اشیاء اور خام مال ملنے لگا ۔ رفتہ رفتہ انہوں نے کئی اہم جزائر اور آبی راستوں پر بھی اپنا قبضہ جمالیا ۔ اور کافی عرصہ تک پرتگالی

ہندوستان کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے رہے اور ان کی ترقی میں اضافہ ہونے لگا۔ پھر یورپ کی دوسری اقوام نے بھی برصغیر پر ہاتھ صاف کرنے کیلئے اس سوھنی دھرتی پر یلغار کردی، ان میں ویلندیزی، فرانسیسی اور انگریز سرفہرست تھے۔ ان میں ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ سونے کی چڑیا ہمارے ہاتھ میں آجائے اور پھر کافی عرصہ تک یہ غاصبین اور نام ونہاد ترقی پسند آپس میں لڑتے رہے۔ پرتگالیوں کے بعد ویلندیزی کمپنی قائم ہوئی پھر کافی عرصہ بعد فرانسیسی آئے اور پھر ان کے بعد انگریز آئے۔ انہوں نے سب کو یہاں سے بے دخل کردیا اور بعد میں انیسویں صدی کے آخر نصف میں سارا برصغیر انگلستان کے قلمرو میں شامل ہوگیا۔ اور یوں اس کی بدبختی اور مصیبت کے دن شروع ہوگئے۔ اور پھر دوڈھائی سو سال تک غلامی کا طوق ہندوستان کے گلے میں پڑگیا۔

شہر لنڈن کے مشہور باغات اور پارک :-

لنڈن اور انگلستان کے سارے شہروں میں چوراہوں کے بیچ خوبصورت پودوں کی کیاریاں بنی ہوتی ہیں۔ جن میں نیلے، پیلے اودھے پھول اور سبزہ آنکھوں کو فرحت، ماحول کو تازگی بخشتے ہیں۔ اس کے ساتھ یورپ کے ہر شہر میں باغات اور پارک بہت زیادہ بنائے گئے ہیں۔ اور آپ کو ان باغات میں لوگ بہت زیادہ دیکھنے کو ملیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کے ہسپتالوں میں مریض کم دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ہمارے ہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ خصوصاً لنڈن کو باغات کا شہر کہا جاتا ہے باوجود اسکے کہ وہاں زمین کا انچ انچ نہایت ہی قیمتی ہے۔ لیکن پورے لنڈن کو انہوں نے باغات اور پارکوں سے مالامال کردیا ہے۔ میں نے کئی پارکوں میں چکر لگایا۔ لنڈن کے مشہور باغات یہ ہیں (۱) (کیو گارڈن) :- یہ لنڈن کا خوبصورت اور منفرد باغ ہے۔ جو ۲۸۸ ایکڑ پر محیط ہے۔ اس باغ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں پر ساری دنیا کے مختلف پودے اور اقسام رکھے گئے ہیں۔ یہاں پر نباتات کی مختلف اقسام بھی جمع کی گئی ہیں۔ اس باغ میں پودوں، درختوں، نباتات وغیرہ پر ایک لائبریری بھی قائم کی گئی ہے۔ جس میں ان کے متعلق کافی اہم مواد اکھٹا کیا گیا ہے۔ یہ باغ ۱۷۵۹ء میں جارج سوم کی والدہ(آگستا) نے بنایا تھا۔ جو رفتہ رفتہ اس موجودہ عظیم باغ میں تبدیل ہوگیا۔ اسطرح لنڈن میں اور بھی کئی اہم پارک ہیں۔ جیسے سنیٹ جیمز پارک مشہور عالم ہائیڈ پارک جسکی تفصیلات میں پہلے بیان کرچکا ہوں۔ اسطرح کوئین میری گارڈن اور گرین واچ پارک یہ ایک خوبصورت اور دل فریب پارک ہے۔ بیٹسی پارک : دریائے ٹیمز کے کنارے بنایا گیا ہے جو ایک ہزار ایکڑ پر پھیلا ہوا ہے۔ چیلسی گارڈن : پھولوں کی وجہ سے مشہور ہے۔

کین وڈبارس : اپنی خوبصورت جھیلوں اور نفیس پھلوں کی وجہ سے مشہور ہے۔

مغرب کی برقی زندگی کے چند مشاہدے :-

مغرب میں برقی ترقی نے ہر شئی کو برق رفتار کردیا ہے۔ یہاں تک کہ گوشت پوست کے خاک دان سفال کو بھی بجلی کا بنادیا ہے۔ انسانی پرزہ صبح سے لے کہ شام تک ایک سرکل میں رہتا ہے۔ پورا ہفتہ یونہی سرگرداں رہتا ہے۔ مادیت کی دوڑ میں یہ اتنا سرپٹ دوڑ رہا ہے کہ اس سے انسانی اقدار، رشتوں، سماج اور مذہب کی ساری منزلیں رہ گئی ہیں۔ ان لوگوں کی زندگی ویک اینڈ نائٹ اور سنڈے (اتوار) تک محدود ہوکر رہ گئی ہے۔ باقی کسی شخص کے پاس ہیلو ہائے کا وقت بھی نہیں ہوتا۔ بیماری ہو یا کوئی اور گھریلو پریشانی ہو مغرب کا آدمی اپنا کام نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ ہر حالت میں کام پر جائے گا۔ تمام عمر یہ لوگ کام میں جتے ہوتے ہیں۔ آخر عمر میں جب یہ لوگ بوڑھے ہوجاتے ہیں تو بچے بھی ان کو بے یار ومددگار چھوڑ دیتے ہیں۔ یا پھر اولاد اپنے بوڑھے والدین کو "اولڈ سینٹر" میں بھیج دیتے ہیں، جہاں پر ان سے بات کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔ یہ بوڑھے صرف اپنی موت کا انتظار کرتے ہیں۔ انکی اپنی اولاد اپنے والدین کا حال بہت کم پوچھتی ہے یہ بوڑھے اپنے بچوں کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے مدتوں بے قرار رہتے ہیں۔ آپ کسی بھی پارک میں چلے جائیں آپ سے کوئی نہ کوئی بوڑھا ضرور بات کرنے کیلئے ماہئی بے آب کی طرح بیتاب نظر آئیگا۔ حتیٰ کہ یہ بوڑھے بعض اوقات لوگوں کو پیسوں کی پیشکش بھی کرتے ہیں کہ ہمیں تھوڑاسا وقت دے دو۔ بوڑھوں کیلئے یورپ میں اب ڈیتھ انجکشن بھی ایجاد ہوا ہے اور اگر کوئی اپنی خوشی یا کسی رشتہ دار کی اجازت سے اس کا استعمال کرناچاہے تو کرسکتا ہے۔ یہ ہے یورپ کی خوشحال اور مادی زندگی کا "حسن خاتمہ" ہالینڈ کے شہر ہیگ میں ہم جس جگہ رہتے تھے اس کے نیچے ایک تنہا بوڑھا شخص رہتا تھا جس کی بیوی مرچکی تھی اور بچے اس کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ یہ بوڑھا شخص سارا کام کاج خود کرتا ہے۔ اور عصر کے وقت کھڑکی میں بیٹھ کر سرراہ چلتے ہوئے لوگوں کو حسرت سے دیکھتا ہے اور غالباً "لیت الشباب لیعود" کا "ورد" کرتا رہتا ہے۔ اسکی آنکھوں میں میں نے کئی دفعہ آنسوں کے موتی دیکھے۔ جو بہ زبان حال کہہ رہے تھے۔

ع تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے ؟

انگریز قوم پر ایک نظر :-

انگریز قوم بولنے میں بڑی بخیل واقع ہوئی ہے، ہر وقت لب اظہار پر خاموشی کے تالے

لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ چہروں پر سنجیدگی اور متانت کے شوق میں تقریباً نیم غصہ کی سی کیفیت میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ ان کا زیادہ سے زیادہ تکلف ہلو ہائے تک ہوتا ہے۔ اور کبھی بڑی فیاضی کا مظاہرہ کر دیتے ہیں تو ایک عدد ہلکی مسکان سے آپ کی تواضع ہو سکتی ہے۔ شاید کہیں سے انہوں نے اردو کا یہ شعر سن لیا ہو:

؎ اک تبسم ہزار شکووں کا کتنا حسیں جواب ہوتا ہے

یورپ میں غالباً انگریز قوم ابتک اپنی قدامت پسندی، وضع داری، رکھ رکھاؤ کا خاصا خیال کر رہی ہے۔ ان انگریزوں کی سر سے ابھی تک سپر طاقت ہونے کا نشہ نہیں اترا، رسی جل گئی پر بل نہ گیا بلکہ ابھی تک ھرا ہے اور کسی بھی صورت میں ان کا یہ خمار ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہا۔ اگر آپ یورپ کے تمام ممالک اور اقوام کا جائزہ لے لیں اور پھر اس کے بعد آپ انگلینڈ آئیں تو آپ کو ان کے درمیان ایک بڑا واضح فرق نظر آئے گا۔ اور محسوس ہوتا ہے کہ یکایک کسی دوسری ہی دنیا میں پہنچ گیا ہوں۔ آپ کو انگلستان میں ہر طرف سوٹیڈ بوٹیڈ انگریز پینٹ، کوٹ یا پھر تھری پیس سوٹ میں ملبوس نظر آئینگے۔ انگریزوں کی خوش لباسی دنیا میں مشہور ہے اور یہ اچھے لباس کے بڑے شوقین ہیں۔ لیکن اب آہستہ آہستہ نئی نسل لباس، وضع داری، روایت پسندی کو چھوڑ رہی ہے اور انگریزں کی یہ آخری نسل ہے جو اپنے روایتی لباس اور روایات کا آج کے زمانے میں بھی خیال رکھ رہے ہیں۔ اور ابھی تک ماضی سے چمٹے ہوئے ہیں، اب جو انگریزوں کی نئی "کھیپ" تیار ہو رہی ہے یہ ایک نئی مخلوق ہے شاید خلائی مخلوق کہنا اسے بہتر ہوگا، جو اپنی روایات، تہذیب و تمدن، مذہب، چرچ، بائیبل، انسانی اقدار اور رشتوں اور حتیٰ کہ والدین سے بھی گلو خلاصی پر تلے ہوئے ہیں۔ مادیت، لامذھبیت روپے پیسے کی فراوانیت اور عیاشی کے تخم و فساد نے انکے دماغوں میں خوب برگ و بار پھیلا دیئے ہیں۔ آپ انکی ایک جھلک انگلینڈ کے ہر شہر میں دیکھ سکتے ہیں۔ اور خصوصاً ٹریفالگر سکوائر، آکسفورڈ سٹریٹ، پیکڈلی سرکس وغیرہ میں تو جگہ جگہ شاہراہوں، فٹ پاتوں اور پارکوں میں یہ مخلوق ٹولیوں کی صورت میں مٹر گشت کرتے ہوئے آپ کو ملے گی۔ یہ حیوان نما انسان ایسی ایسی حرکات اور صورتیں بنائے پھرتے ہیں کہ فلک نے پہلے ایسی قبیح اور تمسخر آمیز صورتیں نہیں دیکھی ہوگی، پھر ان کا مختصر لباس بھی ننگ وجود ہی ہوتا ہے۔ بلکہ یہ بدبخت اس برائے نام لباس کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ غالباً غالب نے ان " یاران بے لباس و جامہ " کیلئے ہی کہا تھا ع میں ورنہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا

ان لڑکوں نے اپنے بالوں کو کئی طرح کے رنگ دیئے ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ سر کو سات سات رنگوں سے رنگا جاتا ہے، پھر ان میں جو سب سے زیادہ فیشن کا "علمبردار" ہوتا ہے وہ اپنے سر کو دونوں طرف سے گنجا کر کے درمیان میں مرغ کے "قلغی" کی طرح بالوں کو کریم کی مدد سے کھڑا کر دیتا ہے یہ ان کے نزدیک فیشن کی "اعلیٰ معراج" ہے۔ کئی لوگوں نے سر میں مختلف قسم کی ٹاکیاں بنائی ہوتی ہیں اور سروں میں مختلف نقشے اور تصاویر بھی بنائے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے جسموں پر رنگ برنگ نشانات اور تصاویر، پھول بوٹے منقش کئے ہوتے ہیں اور نوجوانوں نے خصوصاً بازوں پر سانپ اور بچھو اور دنیا جہاں کے حشرات الارض کی تصاویر اپنے جسم میں کندہ کی ہوئی ہوتی ہے، یہ بھی فیشن کا ایک انوکھا انداز" دلربا" ہے۔ پھر ایک عجیب فیشن ان لوگوں کا یہ بھی ہے کہ جسم کے مختلف حصوں میں سوراخ کر کے بالیاں اور کڑے لٹکاتے ہیں۔ خصوصاً کان میں دس بارہ بالیاں ہوتی ہیں، ناک میں پانچ چھ بالیاں ہوتی ہیں۔ آپکو تعجب ہوگا کہ یہ کام لڑکیوں کی نسبت مردوں میں زیادہ ہوتا ہے۔ سر کو گنجا کر کے مختلف حصوں میں بالیاں گاڑ دی جاتی ہیں، پیٹ کے ناف میں بھی اسی طرح بڑی بڑی بالیاں یہ لوگ گاڑتے ہیں، اسی طرح ہونٹوں میں، آبروؤں میں چہرے پر گالوں میں اور حتیٰ کہ زبان میں بھی بالیاں گاڑی ہوتی ہیں۔ صحیح معنیٰ میں انہوں نے اپنے ساتھ "مثلہ" کیا ہوتا ہے اور سلاسل کا زیادہ سے زیادہ بار گراں ان کا سرمایہ افتخار ہوتا ہے۔ ان کو دیکھ کر رحم بھی آتا ہے کہ معلوم نہیں اپنے جسموں کو یہ اذیت اور تکلیف دے کر کونسی راحت اور کس قسم کا فیشن حاصل کر رہے ہیں۔ اقبالؒ نے ان گندے انڈوں کے بارے میں بہت پہلے کہہ دیا تھا:

نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے — اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

یہ دور جدید اور "تہذیب یافتہ" مغرب کی وہ مکروہ اور مسخ شکل ہے جس کو دیکھ کر انسان پر کپکپی طاری ہوتی ہے۔ ان سے تو زمانہ قدیم کے غاروں میں رہنے والے انسان ہی بہتر تھے جو کم از کم اپنے ساتھ ایسا بہیمانہ سلوک تو نہیں کرتے تھے۔ یہودیوں نے بڑی عظیم سازش کے تحت عالم عیسائیت اور اس کے معاشرے اور نوجوانوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ اس لئے ہی مشہور فلسفی نٹشے یہودیوں کو یورپ کے لئے عذاب سمجھتا تھا، اسی طرح جرمنی کے ہراڈولف ہٹلر نے یہودیوں کے کرتوتوں اور سازشوں اور انکے مکروہ کردار کا اپنی کتاب "میری جدوجہد" میں بھرپور انداز میں نقاب کشائی کی ہے اس نے (اس کتاب کا ترجمہ ۱۹۳۸ء میں پہلی مرتبہ اردو میں ہوا) اس نے یہودیوں کا خوب صفایا بھی کیا۔ اور لاکھوں یہودیوں کو گیس چمبر میں گزار کر جہنم رسید کر دیا تھا۔ یہودیوں نے عالم اسلام اور عالم عیسائیت کے خلاف جتنی سازشیں کی ہیں ان تمام سازشوں کے تار و پود ہندوستان

کے فاضل دانشور اور محقق جناب اسرار عالم صاحب نے اپنی تصنیفات اور تالیفات کے ذریعے ادھیڑ دیئے ہیں ۔ میرے خیال میں یہودیت اور ان کے سازشوں پر زمانہ حال میں ان جیسی نگاہ کسی کی بھی نہیں ہے ۔ انہوں نے یہودیوں کے سارے منصوبے اپنی گراں قدر کتابوں میں امت مسلمہ کے سامنے پیش کردیئے ہیں ۔ اس سلسلے میں ان کی دو اہم کتابیں (۱) عالم اسلام کی صورتحال (۲) عالم اسلام کی اخلاقی صورتحال نہایت اہم ہیں ۔ اسی طرح مغرب نے پوری دنیا پر اور خصوصاً عالم اسلام پر اپنا کلچر امپلریزم (CLTURAL IMPERIALISM) مسلط کرنے کا منصوبہ شروع کررکھا ہے ۔ امریکن ٹی وی (سی این این) اور ایس ٹی این اور وائس آف امریکہ اور انگلستان کے بی بی سی ورلڈ سروس وغیرہ اور میوزیک چینل وی (V)، سٹار پلس + اور سٹار مووئز وغیرہ اہم ہیں، اور اب تو کمپیوٹر کے ذریعے ایک نئی سازش تیار کی گئی ہے اور وہ ہے انٹرنیٹ (Internet) جس پر اگرچہ مفید اور کارآمد اور علمی کام بھی ہوسکتا ہے لیکن اس کے ذریعے زیادہ سے زیادہ فحاشی پھیلائی جارہی ہے ۔ اور آپ بیس پچیس روپے فی گھنٹہ میں امریکہ یا انگلستان وغیرہ سے ہرچیز دیکھ سکتے ہیں ۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس سے منسلک افراد کی تعداد تقریباً سات کروڑ تک ہوگئی ہے ۔ اس کے ساتھ انہوں نے ای میل سروس (E Mail Services) بھی شروع کی ہے ۔ جو کہ انٹرنیٹ سسٹم کی طرح ایک حصہ ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ انگلستان میں قادیانیوں کا "مسلم چینل" بھی شروع کیا ہے ، جس کے ذریعے سے یہ مرتدین عالم اسلام کے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں ۔ ان چینلز کے علاوہ ہندوستان بھی اپنی ثقافت ہم پر مسلط کررہا ہے ۔ اور ہم لوگ بے بس ہوکر ان کا تماشا کررہے ہیں ۔ ان کے خطرناک چینلز یہ ہیں : زی ٹی وی ، ایل ٹی وی اور دوردرشن وغیرہ اہم ہیں ۔ ان طاغوتی قوتوں نے اس بات کا ادراک کرلیا ہے بلکہ یہودیوں کی کچھ خفیہ دستاویزات کو میں نے پڑھا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ "مسلمان نوجوانوں کو عیاشی اور جنس پرستی کے ذریعے سے ختم کیا جاسکتا ہے" اور ان کو اندازہ ہے کہ آئندہ صدی میڈیا کی ہے ۔ اور اصل جنگ اب مواصلات ونشریات کے نفسیاتی حربے کے ذریعے کی جائیگی ۔ اور اب یہ ہر لحاظ سے عالم اسلام کے سرمایہ (نوجوانوں) پر بھی بذریعہ ڈیش اینٹینا ، وی سی آر اور گندی فلموں اور انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعہ حملہ آور ہوچکا ہے اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتا نظر آرہا ہے ۔ کہ مسلمان نوجوانوں کو بھی عیسائی نوجوانوں کی طرح ناکارہ وبرباد کیا جائے ۔ میں نے عالم اسلام کے مختلف شہروں مین نوجوانوں کی بڑی تعداد کو یورپ کی تہذیب نو کی اتباع کرتے ہوئے دیکھا ہے ۔ بلکہ لندن فرانس وغیرہ میں تو ہمارے مسلمانوں کی اولاد اس قسم کی گھٹیا حرکات میں اپنے پیش رو (یہود ونصاریٰ)

سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔

ع یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

یہ بدمعاشوں کا ٹولہ ہر وقت شور وغل اور شورشرابا، ہلڑبازی سے آسمان سر پر اٹھائے پھرتے ہیں ان مرغان ہنگامہ آرا کی بے وقت وبے ہنگام ہنگامہ آرائی کو دیکھ کر کئی دفعہ ملکہ نورجہاں کا یہ مصرع ذہن میں گونجا۔ ع قتل کردن لازم است ایں مرغ بے ہنگام را

انگریزوں کی ساری روایات اور وضع داری اور نسلی تفاخر کا یہ "نونہالان انگلستان" بھرکس نکال رہے ہیں۔ اس نسل سے پہلے ستر کے دہائی میں ھپیوں (خانہ بدوش) کا ایک گروہ پیدا ہوا تھا جو لمبے لمبے بالوں اور گندے، میلے، کچیلے لباس اور خاکساری کیوجہ سے کافی مشہور ہوا تھا۔ انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں پوری مغربی دنیا اور امریکہ تک کو اپنے لپیٹ میں لے لیا تھا اور آہستہ آہستہ ہپی ازم کی یہ آکاش بیل پوری دنیا میں پھیل گئی تھی۔ یہ لوگ بعد میں سکون اور روحانیت کی تلاش میں دربدر پھرنے لگے اور ہندو مذہب میں انکو ظاہری آسودگی نظر آنے لگی اور ہندوجوگیوں کیطرح طرز زندگی کو انہوں نے پسند کیااور ہرے کریشنا ہرے رام کا نعرہ انہوں نے اپنالیا اور اپنے تیئں نجات کی سدرۃ المنتہی پر اپنے آپکو محسوس کرنے لگے، انہوں نے منشیات کا دھڑادھڑ استعمال شروع کیا اور چرس کے بھاری بدبودار دھویں میں یہ پناہ ڈھونڈنے لگے۔ چند لمحوں کی بے خودی کو یہ "مراقبہ" پر محمول کرتے۔

؎ مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

اس سکر کی کیفیت کو یہ ہندومذہب کا "کمال" بتاتے، لیکن چند دنوں بعد ہی ان "فریب خوردگان مذہب و دین" پر اصل ہندو مذہب کے "اسرار ورموز" کھلنے لگے۔ اور انکی صحتیں تباہ وبرباد ہونا شروع ہوئیں تو ان "زود پشیمانوں" کو احساس زیاں ہوا۔ اسی عرصہ میں ہپی ازم کی تحریک برصغیر اور ایشیاء ممالک پر ٹڈی دل کی طرح حملہ آور ہوئیں ان کے لئے بھنگ کی پتیوں میں ایسی کشش تھی کہ یورپ کا سرد موسم اور ساری سہولیات چھوڑ کر انہوں نے پاکستان، ہندوستان اور افغانستان کو اپنی آرزوں کی جنت تصور کیا اور خوب دل کھول کر دن رات نشہ کرتے رہے، کئی لوگ تو پھر واپس بھی نہ ہوئے اور چرس کی بھٹیوں پر جان دے دی۔

میں میکدہ کی راہ سے ہوکر نکل گیا ورنہ سفر حیات تو کافی طویل تھا

ان لوگوں نے اپنے ساتھ پاکستان، ہندوستان اور افغانستان میں بہت سی خرابیاں اور طرح طرح کی

بیماریاں ہمارے معاشرے میں پھیلائیں اور ہمارے نوجوانوں نے ان ہپیوں کی خراب حالت اور بگڑی صورتوں اور بڑے بالوں کا فیشن اپنالیا۔ ان جاہلوں نے ان کی سستی اور غلاظت وغیرہ کو فیشن پر قیاس کیا اور خود بھی انکے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ لوگ ہنس کی چال میں اپنی چال بھی بھول گئے، مختصراً ہپیوں کی تحریک کا گڑھ بھی انگلستان ہی تھا اور آج کل ہپیوں کے اس نئے ایڈیشن کا" چھاپہ خانہ" بھی یہی انگلستان ہے۔ یہ لوگ ان سے بھی بدتر اور جاہل ہیں اور خطرناک بھی۔ مغرب اور امریکہ ان سے کافی پریشان ہیں، اب وہاں کے دانشور اور ارباب کلیسا سرجوڑ کر بیٹھ گئے ہیں کہ ان ناھنجاروں کو کیسے راہ راست پر لائیں، لیکن

ع خود کردہ علاج نیست ؟

انگریز قوم کی چالاکی اور اسلام دشمنی کی چند مثالیں :-

میں فرہنگ کی عقل و دانش کا بالکل قائل نہیں ہوں اور نہ ہی یہاں کی چکاچوند سے میری آنکھیں خیرہ ہوسکیں۔

ع خیرہ نہ کرسکی مجھے فرنگ کی دانش

البتہ اسکی چالاکی، خودغرضی، طویل منصوبہ بندی، موقع شناسی، مستقل مزاجی، دھوکہ دہی، جنگی حکمت عملی، بداعتمادی، وعدہ خلافی اور مکروفریب کا قائل ہوں۔ خدا کی قسم جو کچھ ان کے بارے میں کہا ہے یہ وہ تاریخی حقائق ہیں۔ جن پر پوری دنیا اور بالخصوص عالم اسلام گواہ ہے۔ عالم اسلام کی ساری توانائی، ساری شوکت و عظمت اور طاقت کو اسی انگلستان نے پارہ پارہ کیا ہے۔ یہ کوئی سو دو سو برس کی ظلم وستم کی کہانی نہیں، بلکہ سات آٹھ سو برس پرانی کہانی ہے۔ اس کتاب کا پہلا باب صلیبی جنگوں کے آغاز سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس کا درمیانی صفحہ بوسنیا کی تباہی وبربادی پر ختم ہوتا ہے۔ انگلستان کے مظالم کی اس روداد کا ورق ورق مسلمانوں کے خون کے چھینٹوں سے رنگین ہے۔ صلیبی جنگوں میں انگلستان کی پوری سرپرستی حاصل رہی۔ اور اس کی فوج اور بادشاہ تمام جنگوں میں مسلمانوں کے خلاف پیش پیش رہے۔ اس کے بعد بھی ان کی مسلم دشمنی ختم نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے عربوں کو ترکوں کے خلاف (سلطنت عثمانیہ) اٹھایا۔ اور ہر طرح سے ان کے درمیان اختلافات کو ابھارا۔ اور طرح طرح کی بغاوتیں سلطنت عثمانیہ کے خلاف وقفہ وقفہ سے انہی کے شہ پر اٹھیں۔ اور عربوں سے بہت خوشنما وعدے کیے۔ اور طرح طرح کی لالچیں ان کو دلائیں۔ انگلستان کی سلطنت عثمانیہ اور عالم اسلام کے خلاف سازشوں کا پردہ ان کے ایک پروردہ جاسوس

(ہمفرے) نے اپنی ذاتی ڈائری میں بڑی تفصیلات کے ساتھ لکھی ہیں۔ اور جس کا لفظ لفظ مسلم دشمنی سے پر ہے۔ انہوں نے کن کن طریقوں سے عالم اسلام کے قلعہ میں دراڑیں ڈالی ہیں۔ بہرحال سلطنت عثمانیہ انگلستان کے ہاتھوں ہی کمزور ہوئی اور یوں پہلی بار مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہوئی۔ سلطنت عثمانیہ کی تباہی کے بعد انہوں نے عربوں کیساتھ ایسا سلوک کیا اور سارے وعدے بھول کر یک لخت آنکھیں بدل لیں۔ اور انہوں نے عربوں کو پھر کہیں کا نہ چھوڑا۔

لنڈن کا مشہور عالم ٹرافلگر سوکائر (چوک):۔

شہر لنڈن کا سب سے بڑا مرکزی چوک جو سیاحوں کا ایک پسندیدہ مقام ہے۔ یہ بالکل اندرون شہر واقع ہے۔ اور اس کے اطراف میں کئی اہم تاریخی عمارات اور مقامات واقع ہیں۔ اور اس کے ساتھ لنڈن کا سب سے بڑا کاروباری مرکز آکسفورڈ سٹریٹ بھی ہے اور اس کے ساتھ پیکاڈلی سرکس بھی قریب ہے۔ اسی چوک سے شہر کے مختلف علاقوں کیلئے بہت سی بسیں بھی روانہ ہوتی ہیں۔ اور خصوصاً رات کو انڈرگراؤنڈ ریلوے سسٹم بند ہوجانے کے بعد وہاں کی مشہور دومنزلہ بسیں اسی جگہ سے چلتی ہیں۔ اس چوک میں کشش کی بہت سی چیزیں ہیں۔ لیکن اس جگہ کی خصوصی وجہ شہرت۔ یہاں کے ہزاروں کبوتروں کا مٹرگشت ہے۔ اور ان کبوتروں کو دیکھنے اور کھیلنے کیلئے دنیا جہاں کے سیاح یہاں پر آتے ہیں۔ اس جگہ کا محل وقوع کچھ اس طرح سے ہے۔ یہ ایک بہت بڑا گراؤنڈ سا ہے جس میں اترنے کیلئے کئی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ انڈر گراؤنڈ کے سٹیشن بھی ہیں پھر بالکل درمیان میں ایک بہت بڑے جرنل کا مجسمہ بنایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ نیچے چار عظیم الجثہ شیروں کے بت تانبے وغیرہ سے بنائے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس چوراہے میں کئی خوبصورت فوارے لگے ہوئے ہیں۔ اور یہاں پر کبوتر مٹرگشت کے انداز میں خراماں خراماں چوپڑیاں بھرتے ہوئے پھرتے ہیں۔ یہ کبوتر انسانوں سے اس قدر مانوس ہوگئے ہیں کہ انسانوں کے سر اور شانوں اور بازوں کی شاخوں پر کئی کئی کبوتر بلا خوف بیٹھ جاتے ہیں۔ اور سیاح اس لمحہ کو اپنے کیمروں میں محفوظ کرلیتے ہیں۔ میں نے زندگی میں اس قدر زیادہ تعداد میں کبوتروں کی فوج ظفر موج اس سے پہلے نہیں دیکھی۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہاں پر کوئی مزار، کوئی مقبرہ اور مسجد بھی نہیں پھر بھی یہاں پر ایک بڑا "لنگر خانہ" چل رہا ہے اور اس پر ہزاروں بجوم "صوفیاں" رہتا ہے جو پیٹ کی پوجا پاٹ میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں اور تواضع شکم میں مستغرق ہوتے ہیں، ان کے درمیان آدمی کو ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے اور پھر جب یہ "قلندروں" کی جماعت بیک جنبش آن واحدہ میں اڑنے کیلئے پروں کو کھولتے ہیں تو فضا میں ان

کے پروں سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اس کا ایک الگ سماں ہوتا ہے اور پھر دوسرے ہی لمحے میں آسمان کی رفعتیں ان کے لیے جولانگاہ بن جاتی ہیں۔ چلتے چلتے اس جگہ کی ایک خاص روایت یا "بدعت" کا بھی ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ ان کو سیاح دانے کھلاتے ہیں۔ ہر سیاح کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے "خوان نعمت" پر ان کی تواضع ہوسکے لیکن یہ چشم سیر ناوک فگن، شمشیرزن کبوتریاں ہر کس و ناکس کو خاطر میں نہیں لاتیں بلکہ کسی کسی کو اس اعزاز سے نوازا جاتا ہے۔ میرے دل میں اس خیال خام نے انگڑائی لی کہ ان سے "پرسش طرز دلبری" کروں اور ان کبوتروں کی "نیم کش چشم غزالاں" کی صف سژگاں سے روکشی کروں۔ لیکن

؎ صد جلوہ روبرو ہے جو سژگاں اٹھائیے　　طاقت کہاں کہ دید کا احسان اٹھائیے

اور ہر سیاح ان "مقدس طائران انگلستان" کی مزید التفاتی اور قلبی میلان حاصل کرنے کیلئے کچھ باجرہ دانا وغیرہ ان کے حضور "نذر" کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ یوں وہ بھی خریداران یوسف کی فہرست میں جگہ پاسکے۔ یہ کبوتر اندازے سے زیادہ تیار کا من وسلویٰ کھا کھا کر ماشاء اللہ ان کی صحتیں "ہم جیسوں" کیلئے بھی قابل رشک بن گئی ہیں۔ کیونکہ

ع　ہم قفس کے قیدیوں کو آب و دانا ہے منع

سیاحوں کی اس "فیاضی" نے البتہ شہر لنڈن کے مکینوں کے لیے ایک بڑا مسئلہ پیدا کردیا ہے۔ کہ وہاں کی عمارتوں کی چھتیں اور خوبصورت درودیوار ان کی بیٹ کی زد میں ہیں اور ہر جگہ کو انہوں نے اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ ان کبوتروں کے خلاف اب کافی لے دے ہورہی ہے۔ کہ آیا ان کو ختم کیا جائے یا رہنے دیے جائے۔ لیکن بالآخر فیصلہ ان "مست تیار خور قلندران ہوائی" کے حصہ میں آیا اور یہ اب فاتحانہ خرامانہ وسپاھیانہ انداز میں سیاحوں سے "خراج" وصول کررہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ جرات رندانہ میں زبان حال سے یہ دعویٰ بھی کررہے ہیں۔

؎ هزار دام سے نکلا ہو ایک جنبش میں　　جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

تھوڑی دیر کے لیے میں بھی ایک بار پھر۔ بچپن کی یاد تازہ کرتے ہوئے ان "یاران بے تکلف" کیساتھ گھل مل گیا۔ ایک "بیداد گر" کبوتر کی ادائے ناز کی زد میں مجھ "سا" بھی آگیا۔ اور پھر دیکھا دیکھی کئی کبوتر میرے شانوں پر اور کچھ میرے سر کو اپنی نشست گاہ بنانے لگے۔ حالانکہ اس "شاخ بریدہ" پر ان کیلئے آشیاں بندی کہاں ہوسکتی تھیں۔ اور پھر جو شاخ نشیمن۔ بجلیوں کی آماج گاہ ہو اور پھر۔ جس میں۔ بجلیاں آسودہ ہوں اور جس پیڑ کے تمناؤں اور آرزوں کے پھول اور پتیاں بن کھلے ہی مرجھا چکے ہوں تو معلوم نہیں کہ اس غارت شدہ غم کدے میں انہیں کیا رونق نظر آئی جن پر

انہوں نے اپنی کمند شوق ڈالنا چاہی ، حالانکہ مجھ جیسے برق بداماں و عادی فغاں سے تو اپنا سایہ بھی وحشت اور آتش فشانی کے خوف سے دور بھاگتا ہے ۔

؎ سایہ میرا مجھ سے مثل دود بھاگے ہے اسد پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھیرا جائے ہے

کبھی کبھی تو اپنی اس کیفیت نالہ ہائے زار پر مزید نوحہ خوانی کرنے کو دل چاہتا ہے کہ غم واندوہ اور درد و کرب کی آخر کیا وجوہات ہیں اور کونسے اسباب وعلل ہیں جن کی بناء پر میں آج ایک تصویر پریشاں بن گیا ہوں اور برق وشرر کی " عبادت " کا کیوں خوگر ہو گیا ہوں اور پھر جب دیکھتا ہوں تو آنچ اور تپش اپنے ہی وجود سوزاں سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے ۔ الحمدللہ پھر یہ چنگاریاں اپنے سینے کی انگیٹھی ہی سے اٹھتی ہیں یہ بھی اچھا ہے کہ کسی پروانہ کی طرح ادھر ادھر روشنی اور حرارت کیلئے نہیں بھٹکتا ۔ بلکہ یہ چنگاریاں اور شعلے میرے لیے قندیل کاکام دیتی ہیں۔اور ویسے بھی دروزہ گر آتش بیگانہ بننے سے کیا فائدہ ؟ ؎ اللہ کا سوشکر ، کے پروانہ نہیں میں دروزہ گر آتش بیگانہ نہیں میں

اورتوکل ، عظم وہمت خوداعتمادی اور خودی کے چراغوں سے اپنے غم خانہ میں تاریکی نہیں ہونے دیتا اور اگر کبھی کسی خاص وجہ سے میرے " ظلمت کدہ " میں غم والم کا جوش بڑھ بھی جائے تو فوراً ہی یاران رفتگاں کی یادوں میں آنکھوں کی شمعیں فروزاں کر دیتاہوں ۔ ؎

جوئے خوں بہنے دو آنکھوں سے کہ ہے شام فراق میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دوفرازاں ہوگئیں

..... اورپھر اپنے آپ کو قصور وار اور مجرم گردانتا ہوں لیکن اب اس کی کون چارہ سازی کرے اور کون جاکر کوثر و تسنیم سے وہ آب سرد لاکر اس ابدی آگ کا لاوا ٹھنڈا کرے ۔ یہ آگ جو سینوں کے آتش دانوں میں خالق کائنات نے تخلیق آدم کے وقت ہی لگادی تھی۔ اور اب یہ مشعل آتشیں تا قیامت یونہی دہکتی رہے گی اب ہر شخص کے ذوق اور مزاج پر موقوف ہے کہ اس " نعمت کبریٰ " اور سوز وگداز کے حاصل ہونے کے بعد اس آنچ پر کیا دھرتا ہے اور کس کام میں لاتا ہے ؟۔ اب اگر کوئی سالک صادق ہے تو ضرور اسکی روشنی میں " شاہراہ معرفت " اور اس کی منزلوں اور مراحب کو طے کرے گا اور اگر کوئی عاشق سودائی ہے تو یقیناً وہ اس سے خودسوزی کا کام لے گا ، کیونکہ اہل شوق نے ہمیشہ اسی جنس گراں مایہ سے یہی کام لیا ہے ۔ غالب مرحوم نے کیا اچھا شعر کہا ہے :

کیا پوچھئے وجود عدم اہل شوق کا آپ اپنی آگ کے خس و شاک ہوگئے

دیکھئے بے خودی اور انجانے میں " بربط جاں " سے کیسا ساز دردابل پڑا ؟ اور کیسی کیفیت طاوری ہوگئی بقول کیفی مرحوم

؎ کتنے نغمے ہیں جو پردے میں چھپا رکھے ہیں آپ چھیڑیں تو یہ ساز دل ناساز کبھی

جی تو نہیں چاہتا کہ میں اپنی اندرونی کیفیت اور دنیائے دل کی باتوں سے آپ حضرات کو کبیدہ خاطر کروں لیکن کیا کیجئے

؎ مرا دردیست اندر دل اگر گویم دہاں سوزد وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

یہ اچھا ہوا کہ ان نئے دوستوں کے ساتھ زبان کا مسئلہ نہیں تھا ورنہ ان سے بھی رسم وراہ نکالنے سے محروم رہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی شان دیکھیے اگر انسانوں کی طرح حیوانوں میں بھی زبانوں کا مسئلہ ہوتا تو پھر تو بڑا ہی مسئلہ بن جاتا۔۔۔۔ کبوتروں کے طائفہ نے" غٹر غوں" کے استقبالیہ کلمات سے مجھے خوش آمدید کہا۔ اور پھر میں نے بھی" سنت حاتم طائی" کو زندہ کرتے ہوئے گندم کے دانوں کی ڈالی" شاہی اداب" کیساتھ ان" برٹش کبوتروں" کی" بارگاہ" میں پیش کی۔۔۔۔۔ جو انہوں نے طیب خاطر کے ساتھ قبول کر کے تناول کی اور پھر" خمارگندم" سے جھومنے لگے۔ میں کچھ دیر یہاں پر بیٹھا انکی خرام اندازیاں اور مستیاں اور بے تکلفیاں دیکھ کر محظوظ ہوتا رہا۔ مجھے ان معصوم پرندوں سے کسی تعصب، کسی نقصان یا کسی خوف اور اندیشہ ہائے دوردراز کا ڈر نہ تھا۔ چلو اچھا ہوا کوئی تو دیار غیر میں اپنا بھی ہم نشین نکلا۔ میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک ایک پھر کی سی آواز فضا میں بلند ہوئی اور یہ کبوتریں کسی کی تلاش میں کسی دوسری منزل کی شوق میں آواز جرس پر فلک نیلگوں کی وسعتوں میں پھیل گئے۔ اور میرے مرغ دل کو تنہائی کے احساس نے دوبارہ ستانا شروع کیا

؎ دل نیست کبوتر کہ پر دباز نشیند از گوشہ بامے کہ پریدیم پریدیم

اس کے بعد اپنے سینے کے پنجرے میں مقید قلب وجگر کے" طایران پر بریدہ" کی حالت زار دیکھی تو ہونٹوں پر بے اختیار غالبؒ کا یہ شعر آگیا۔ ؎

خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو وہی ہم ہیں اور ماتم بال وپر کا ہے

تاہم اپنا مرغ فکر تخیل بھی ان کبوتروں کے ساتھ ساتھ وسعت افلاک میں اڑتا چلا جارہا تھا۔ جس تک رسائی اور اسکی ہمسری یہ بے چارے کیسے کر سکتے تھے۔ اس مقام بلند کی آرزو میں تو بے چارے عنقا کے بال وپر بھی جل گئے، کیونکہ میں تو ع آں جا رسیدہ ایم کہ عنقا نہ میرسد

انسان بھی ایک عجیب شے ہے، بچارے کا فکر تخیل تو افلاک سے اوپر عالم ملکوت اور جہان بالا کی سیر میں مصروف رہتا ہے، جبکہ یہ خود اس کرہ ارض پر نقش پاکی مانند رہتا ہے۔ ضرور کبھی نہ کبھی ہر انسان شکوہ سنجی پر مجبور ہوگا۔ کہ میں کیسے اشرف المخلوقات کی خلعت فاخرہ سے نواز گیا ہوں۔ کہ کرگس اور زاغ وزغن تو کھلے آسمانوں میں اڑیں اور میں صرف" شوق پرواز" کیلئے تڑپوں۔ ؎

وہ جو اڑ سکتے ہیں ان پر بندش پرواز ہے طائران پر بریدہ کو کھلا رکھا گیا (جاری ہے)

"مرثیہ فارسی"

بر سانحۂ ارتحال حضرت العلامہ مولانا محمد منظور نعمانی نور اللہ مرقدہ۔ مدیر الفرقان لکھنؤ (بھارت)

رشک تقویٰ افتخار بزم روحانی برفت

نتیجۂ فکر: حافظ محمد ابراہیم فانی مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★

نعرہ زد ہاتف کہ درد شیخ ربانی برفت
یعنی آں علامہ منظور نعمانی برفت (۱۴۱۷ھ)

از در و دیوار میآید صدائے درد و غم
آں متاع علم و دانش سیف رحمانی برفت

شور بلبل برنیاید خندہ گل بے مزہ
یک گل تازہ ازیں بستان عرفانی برفت

آں خطیب بے مثیل و آں ادیب بے عدیل
بہر حفظ دین و ملت تیغ برانی برفت

حامی سنت کہ بود و ماحیٔ بدعات و شرک
ترجمان دیوبند آں شیر یزدانی برفت

واقف اسرار قرآن شارح علم حدیث
آں مبلغ بے بدل داعیٔ لاثانی برفت

رونق بزم صحافت زینت اقلیم علم
رازدان مکر رفض و قلب ایرانی برفت

او مناظر بود قابل بہر نشر دین حق
پیکر نطق فصیح و زور برہانی برفت

مستمند برحال مسلم نالہ سنج بر ضعف او
رشک تقویٰ افتخار بزم روحانی برفت

نابغۂ روزگارے در سواد ہند بود
آں مثال وصف بوذر فقر سلمانی برفت

سرگروہ بزم اصحاب عزیمت در زماں
کوکب آں چرخ دانش حسرتا فانی برفت

★ در شعر اول از منظور نعمانی مادہ سال وصال آں مرحوم کہ بحساب ۱۴۱۷ھ است حاصل میشود۔

★ در شعر ششم و ہفتم تلمیح است بہ تصنیفات و تالیفات حضرت نور اللہ مرقدہ۔ ۱۔ معارف الحدیث، ۲۔ دین و شریعت، ۳۔ ایرانی انقلاب و ۴۔ ماہنامہ الفرقان۔ (فانی)

خصوصی شمارہ۔ تحسین و تنقید

قارئین بنام مدیر

افکار و تاثرات
بسلسلہ خصوصی شمارہ (اگست)

★ جناب علامہ طالب ہاشمی صاحب ★ جناب مولانا قاضی عبدالکریم صاحب
★ جناب میر افضل خان صاحب ★ جناب محمد یونس میو صاحب
★ جناب ابو سلمان شاہجہان پوری صاحب ★ جناب مولانا مفتی محمد ولی صاحب
★ جناب قاری محمد عبداللہ صاحب ★

عزیز القدر حافظ صاحب سلمہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، "الحق" کے خصوصی شمارہ (اگست ۱۹۹۷ء) کی اشاعت پر ہدیہ تحسین پیش کرتا ہوں۔ اسے آپ نے بڑے سلیقے سے مرتب کیا ہے۔ نقش آغاز پڑھ کر عمق قلب سے آپ کے لیے دعائیں نکلیں۔ ہم لوگ تو اب چراغ سحری ہیں۔ معاشرے کی اصلاح اور ملک کی تعمیر اب آپ جیسے جوانان صالح کے کندھوں پر ہے۔ زیر نظر شمارے میں ایک مقالے کے سوا باقی تمام مضامین نہایت بلند پایہ ، چشم کشا اور ایمان افروز ہیں۔ مذکورہ مقالے کا عنوان ہے
" نظریہ پاکستان اور بانی پاکستان "۔ میری دیانتدارانہ رائے ہے کہ موجودہ حالات کے پیش نظر "الحق" جیسے صحیح الفکر پرچے میں ایسے مقالوں کی اشاعت مناسب نہیں۔ اس مقالے میں فکری توازن کا فقدان ہے۔ " تحقیقی " کے بجائے یہ مقالہ بڑی حد تک " ذاتی نوعیت " اختیار کر گیا ہے۔
" بانی پاکستان " کے افکار اور نیت کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ تصویر کا صرف ایک ہی (منفی) رُخ ہے۔ مقالہ نگار نے تصویر کا دوسرا (مثبت) رُخ بالکل نظر انداز کر دیا ہے یہ مقالہ ملت پاکستان کے مختلف طبقوں میں افتراق اور ذہنی انتشار کا باعث تو ہو سکتا ہے ، کسی تعمیری مقصد کے حصول میں ممد ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس کا سب سے بڑا منفی پہلو یہ ہے کہ یہ اسلام دشمن مغرب زدہ طبقوں کے ہاتھ مضبوط کرتا ہے۔ بے دین اور اباحیت پسند منافقین اور غیر مسلموں کے ہاتھ میں یہ کہنے کے لیے ہتھیار فراہم کرتا ہے کہ بانی پاکستان تو ایک لادین ریاست قائم کرنا چاہتے تھے اسے ایک اسلامی ملک بنانے کا کیا جواز ہے ؟ صرف یہی نہیں بلکہ اس مقالہ کے مندرجات ان علماء ربانی کی تحقیر و توہین کے مترادف ہیں ، جنہوں نے تحریک پاکستان کی زبردست حمایت کی ، بانی پاکستان کا دل وجان سے ساتھ دیا اور عامۃ الناس (یعنی عامۃ المسلمین) کو پاکستان کی ضرورت اور افادیت کا اس

طرح قائل کیا کہ یہ ایک جذبہ بن گیا جو ہر دل میں موجزن تھا ، ایک پکار تھی جو ہر زبان پر جاری تھی ، ایک دھڑکن تھی جو ہر سینے سے سنائی دیتی تھی ۔ پاکستان کی تخلیق کے پیچھے صرف یہ نظریہ کار فرما تھا کہ انگریز اور ہنود کی اقتصادی ، ذہنی اور سیاسی غلامی سے آزادی حاصل کی جائے اور ایک ایسا خطۂ زمین حاصل کیا جائے جس میں ہم اسلامی اقدار وافکار کے مطابق زندگی بسر کرسکیں ، ہماری ثقافت خالص اسلامی ثقافت ہو ، ہمارے معاشرے کا ہرفرد اسلام کا انسان مطلوب ہو ، ہمارا ملک اسلام کا قلعہ اور ہماری حکومت خلافت راشدہ کی طرز پر ایک مثالی حکومت ہو جس کا شعار دین حق کی سربلندی ، اخلاق حسنہ کی ترویج ، احترام انسانیت اور عدل ومساوات ہو ۔ اور یوں ارض پاک پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو اور یہ سرزمین اللہ کے نور سے جگمگا اٹھے ۔ اگر کوئی شخص پاکستان کے قیام کا مقصد کچھ اور بیان کرتا ہے تو وہ شرمناک کذب بیانی کا ارتکاب کرتا ہے ۔ تحریک پاکستان کے حامیوں میں ہر مسلک کے جید علماء کرام شامل تھے مثلاً علامہ شبیراحمد عثمانیؒ ، مولانا ظفراحمد عثمانیؒ ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ ، مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ ، مولانا داود غزنویؒ ، مولانا عبدالحامد بدایونیؒ ، مولانا ابوالحسنات قادریؒ ، مولانا اطہر علیؒ ، مولانا محمد سہول عثمانیؒ (مشرقی پاکستان) وغیرہم ان کے علاوہ بے شمار مشائخ اور صوفیہ کرام نے بھی تحریک پاکستان میں حصہ لیا ۔ یہ نظریہ پاکستان ہی تھا جو مسلمانوں کے عمومی نعرہ پاکستان کا مطلب کیا " لاالہ الا اللہ " کا محرک تھا ۔ یہ کہنا کہ " بانی پاکستان راسخ العقیدہ شیعہ تھے ۔ اگر وہ اسلامی حکومت کے خواہاں ہوتے تو ایک شعیہ اسٹیٹ قائم کرتے ۔ محض خلط مبحث اور بہتان طرازی ہے ۔ بانی پاکستان نے نہ کبھی اپنے آپ کو شیعہ کہا اور نہ سنی وہ اپنے آپکو ہمیشہ مسلمان کہتے تھے ۔ قیام پاکستان سے کچھ عرصہ پہلے وہ لاہور آئے اور ایک دن شاہی مسجد لاہور میں نماز ظہر ادا کی ۔ امام صاحب سنی حنفی تھے ، بانی پاکستان نے ہاتھ باندھ کر نماز ادا کی ۔ اس بات کا راقم الحروف عینی شاہد ہے ۔ میں ان سے پچھلی صف میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا ۔ پاکستان کا قیام کسی فرد واحد کی مساعی کامرہون منت نہیں بلکہ اس میں سینکڑوں علماء ربانی اور اہل اللہ کی مساعی کا بھی دخل ہے کوئی مائی کالال اسے شیعہ اسٹیٹ نہیں بنا سکتا تھا ۔ بانی پاکستان نے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے استغاضہ کیا تھا وہ ان کے بےحد مداح اور عقیدت مند تھے (ملاحظہ ہو " قائداعظم کا مذہب اور عقیدہ " از منشی عبدالرحمن خانؒ ملتانی مصنف سیرت اشرف تھانویؒ ، تعمیر پاکستان وعلماء ربانی وغیرہ) ۔ بانی پاکستان نے اپنی کئی تقریروں میں احکام قرآن ہی کو پاکستان کا آئین قرار دیا تھا ۔ یہ تقریریں مرتب ہوکر شائع ہوچکی ہیں ۔ معلوم نہیں مقالہ نگار نے ان تقریروں کو کیوں نظرانداز کردیا اور بانی پاکستان

کی شخصیت کو مسخ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اب رہی یہ بات کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد ایک ہندو اور ایک قادیانی کو فلاں فلاں منصب پر کیوں فائز کیا گیا؟۔ تو یہ ایک الگ بحث ہے۔ یہ سب کچھ اضطراری حالت میں ہوا۔ انگریزی نظام کو یک لخت (راتوں رات) تبدیل کرنا ناممکن تھا۔ اس وقت مشرقی پنجاب پر قیامت ٹوٹی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی نعشوں سے بھری ہوئی گاڑیاں لاہور پہنچ رہی تھیں۔ لٹے پٹے مہاجروں کے قافلوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں، ہرطرف افراتفری کا عالم تھا۔ اسی صورتحال کے پیش نظر علماء کرام نے بھی اس انتظام کو وقتی طور پر برداشت کرلیا۔ یہ کہنا کہ "قائداعظم" کی نیت پاکستان کو ایک سیکولر (لادین) مملکت بنانے کی تھی۔ "انما الاعمال بالنیات" دلوں کا حال اللہ جانتا ہے۔ کیا بدظنی کے بجائے ان متعدد دوسری تقریروں اور گفتگو کی روشنی میں اس حسن ظن سے کام نہیں لیا جاسکتا کہ سیکولر سے ان کی مراد ایک ایسی مملکت تھی جس میں "لااکراہ فی الدین" پر عمل ہوگا۔ غیر مسلموں (اقلیتوں وغیرہ) کو بھی عقیدہ کی آزادی، جان ومال کا تحفظ، عبادت گاہوں کی حفاظت اور دوسرے انسانی اور شہری حقوق حاصل ہوں گے اور یہ ایک متعصب مذہبی مملکت (تھیوکریسی) نہیں ہوگی جس کی بھیانک تصویر اہل مغرب کھینچتے ہیں۔ راقم الحروف کا کسی سیاسی پارٹی سے نہ ماضی میں تعلق رہا ہے اور نہ اب ہے، لیکن وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ مقالہ ان لاکھوں کروڑوں لوگوں کی دل آزاری کا باعث ہوگا۔ جو بوجوہ قائداعظم " کا غایت درجہ احترام کرتے ہیں۔ اس مقالے کو حقیقی معنوں میں تاریخی تحقیق اور غیر جانبدارانہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ اس سے " بانی پاکستان" سے نفرت اور بغض کا اظہار ہوتا ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم تو یہ ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو ضرر نہ پہنچے جبکہ یہ مقالہ کروڑوں پاکستانیوں کے دل زخمی کرے گا۔ کم ازکم " الحق" کو کسی ایسے مضمون کی اشاعت سے اجتناب کرنا چاہیئے تھا جو فتنہ انگیزی کا باعث ہو۔ کافروں کو ان کے سامنے ان بتوں کو برا کہنے سے کیوں منع کیا گیا ہے؟ کسی کے ماں باپ کو، اپنے ماں باپ کو گالی دینے) مترادف کیوں قرار دیا گیا ہے؟۔

بانی پاکستان قیام پاکستان کے بعد صرف تیرہ ماہ زندہ رہے یہ بڑا پرآشوب زمانہ تھا۔ یہ عرصہ کسی ڈیڑھ سوسالہ نظام کو تبدیل کرنے کیلئے بہت مختصر تھا۔ بہرحال اس عرصے میں جید علمائے کرام ریڈیو پاکستان سے اسلامی نظام حیات کے بارے میں کسی رکاوٹ کے بغیر تقریر کرتے رہے۔ ستمبر ۱۹۴۸ء میں ان کی وفات کے بعد ۴۹ سال جو کچھ ہوا وہ بڑی دلخراش داستان ہے جن لوگوں (جاگیرداروں، وڈیروں، سرمایہ داروں وغیرہ) نے حکومت پر قبضہ کرلیا وہ نظریہ پاکستان یا اسلامی نظام

کو بروئے کار لانے سے مسلسل گریز کرتے رہے۔ اب جو حالت ہے اس کی تصویر آپ نے نقش آغاز میں کھینچ دی ہے۔ اگر ہمارا اسلام اور کلچر یہی ہے جو ہمارے ٹیلی ویژن سے پیش کیا جارہا ہے تو اس سے اللہ کی پناہ بے ہنگم غیر مہذب ڈراموں، ناچ گانے کی محفلوں اور حیاسوز مخلوط اجتماعات کی نمائش کا سلسلہ نسل نو کو بری طرح گمراہ کررہا ہے۔ فحاشی، عریانی، بے حیائی، بے غیرتی اور تبرج جاہلیہ کی کثافت کو ثقافت کا نام دیا جارہا ہے۔ ڈسکوڈانس اور بیہودہ پاپ میوزک کرنے والے ہپی صورت نوجوانوں کو ہیرو بنا کر پیش کیا جارہا ہے۔ گویوں، ایکٹروں، نچیوں اور اسلامی حدود وقیود سے آزادمردوں اور عورتوں کو عظمت کی مسندوں پر بٹھایا جارہا ہے۔ ان کو بڑے بڑے سرکاری اعزازات سے نوازا جارہا ہے۔ " فاعتبروایااولی الابصار" یہاں ایک بات بڑے دکھ کے ساتھ کہنی پڑتی ہے کہ گذشتہ نصف صدی میں ہمارے بعض علماء کہلانے والے اصحاب (اپنے آپ پر العلماء ورثۃ الانبیاء " کا اطلاق کرنے والوں) کا کردار بھی قابل رشک نہیں رہا۔ انہوں نے احمد بن ابی دواد (مامون الرشید کے شیخ الاسلام) کا کردار تو ضرور ادا کیا لیکن انہیں امام احمد بن حنبلؒ کا کردار ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

یہ خط " الحق" کا خیرخواہ ہونے کی حیثیت سے لکھ رہا ہوں۔ کیونکہ میری نظر میں اس مقالے کا معیار " الحق" کے معیار سے فروتر ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو دین حق کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیق دے۔ بوڑھا گوشہ نشین آدمی ہوں اور آپ جیسے نوجوانوں کیلئے ہروقت دعاگو رہتا ہوں۔ گوناگوں علمی مصروفیات سے یہ خط لکھنے کے لیے بصد مشکل وقت نکالا ہے۔

والسلام

محتاج دعا طالب ہاشمی عفرلہ،

* * *

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! اخلاص نامہ ملا۔ تعجب ہوا کہ احقر کی ٹوٹی پھوٹی تحریر نہ صرف آپ کو بلکہ بقول آپ کے بعض دیگر قارئین " الحق" کو بھی پسند آئی۔ صحیح عرض کرتاہوں کہ میں تو آپ کو عریضہ تشکر وامتنان بھیجنے والا تھا بلکہ لکھنا شروع بھی کردیا تھا اور درمیان ہی میں رہ گیا تھا کہ آپ نے تحریک عمل کی ضعیف ونحیف اور بحمدللہ صحیح آواز (تحریک کے ۳ نکاتی پروگرام) کو نہ صرف ملک کے گوشہ گوشہ بلکہ بیرون ملک عرب شریف اور یورپ سمیت پوری دنیا تک " الحق" کے ذریعہ پہنچا دیا۔ فاللہ الحمد ولکم الشکر وجزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ " الحق" کے اس خاص شمارہ کے متعلق اکثر حضرات کا اتفاق رہا ہے کہ ہماری اس پنجاہ سالہ زندگی میں بندگی کا عنصر کامیاب رہا

ہے بلکہ نایاب رہا ہے ۔ اور ایسی زندگی میں جو بے بندگی ہو شرمندگی ہی ہے ۔ اس کا علاج بھی مختلف عنوانات سے تقریباً یہی رہا ۔ کہ اسلامی نظام راشدہ کا قیام، شریعت کے نفاذ کے سوا کچھ نہیں اسی شمارہ میں کئی حضرات نے مغربی جمہوریت کے بت کو بھی اچھی طرح توڑا ہے ۔

میری نظر میں پہلی بار تیس بتیس سال کی خاموشی کے بعد " الحق " کے اس شمارہ میں جناب محمد یونس میو کا یہ قیمتی مضمون گزرا ، جنہوں نے پوری وضاحت کے ساتھ بالغ رائے دہی کے ذریعے انتخاب کو مفصل اور مدلل طور پر اسلام کی خلاف ثابت کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجرا عظیم عطا فرمائیں ۔ (آمین) تحریک عمل کے بھی اس قسم کے بعض مضامین " الحق " الخیر ملتان ، خدام الدین لاہور وغیرہ میں چھ سات سال سے چھپتے چلے آرہے ہیں ۔ لیکن اتنی ذمہ داری سے تفصیل کے ساتھ بالغ رائے دہی کی تفصیل بالدلیل جناب لیکچرار صاحب کی مضمون میں ہی دیکھ کر خوشی اس لیے بھی ہوئی کہ اس کی حیثیت ایک اور ایک دو کی نہیں بلکہ گیارہ کی ہے ۔ کہ آپ دوسرے ماحول میں رہتے ہیں ۔ کیا عجب

دریں گرد سوارے باشد

ملک کے گوشے گوشے میں ہر چہار سے سمیت سے غضب خداوندی کے جو شعلے بصورت سیلاب ، بصورت کشت خون ، قتل ومقاتلہ ، دہشت گردی ، خون ریزی ، زلزلوں اور خسف و مسخ کے بھڑک رہے ہیں ان سب پر ان کوششوں کی وجہ سے انشاء اللہ ثم انشاء اللہ یکدم ٹھنڈا پانی پڑجائے گا ۔

* نوٹ :۔ (حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ کے مبسوط شفقت نامہ سے چند اقتباسات)

✠

.... بہرحال میں انشاء اللہ حق اور سچ لکھتا ہوں ۔ اور نہ تعریف برائے تعریف کرتا ہوں ۔ اور نہ تنقید برائے تنقید ۔ آپ کے مضامین میں مجھے وسعت نظری ، بصیرت ، علم کے لئے پیاس ، مومن کی فراست اور بہت کچھ نظر آیا اور میری یہ سوچ آپ نے صحیح کرکے دکھلادی ۔ " الحق " کی ۳۲ ویں جلد ماہ اگست ۱۹۹۷ء " ایک ایسی دستاویز ہے جو کبھی کبھی لوگوں کے سامنے آتی ہے ۔ آپ کو لاکھ لاکھ مبارک ۔ آپ نے بڑی محنت کی ، اور ساتھ یہ جو لکھ دیا ہے کہ ضروری نہیں کہ آپ کو اور ادارہ کو مضمون نگاروں کے ساتھ اتفاق ہو ۔ یہ سونے پر سہاگہ ہے ۔

۳ ۔ اب بات یہ ہے کہ اس معیار کو قائم رکھیں اور باتوں کو آگے بڑھائیں ۔

ڈاکٹر سید زاہد علی کا مضمون کافی اچھا ہے ۔ ایسے لوگوں کو آپ اپنے " قافلہ " میں شامل کرسکتے ہیں ۔ نظریہ پاکستان اور بانی پاکستان پر ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری کا مضمون بڑا تحقیقی ہے کہ بے

شک محمد علی جناح، نے مسلمانوں کیلئے ایک ملک تو حاصل کرلیا لیکن ان کے پاس اسلامی نظریات نہ تھے۔ اور جناح کے نظریات کے تحت اس ملک کو اسلامی ملک نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ یہ اور ایسی کئی باتیں صحیح ہیں۔ لیکن صاحب مضمون نے کچھ تعصب سے بھی کام لیا ہے اور جناح کے لادینی "نظام" کے پیروکار ہونے پر تو سب کچھ لکھ دیا۔ لیکن جناح کبھی کبھی یہ بھی کہہ دیتا تھا کہ وہ اول بھی مسلمان ہے اور آخر بھی مسلمان ہے اور یہ ملک ان اصولوں کے مطابق چلایا جائے گا جو قرآن پاک اور سنت نبویؐ میں موجود ہیں۔ صاحب مضمون نے جناح پر کچھ الزامات بھی لگائے ہیں۔ میں تحریک پاکستان کا چشم دید گواہ ہوں اور اب بڑی چھان بین کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ غیروں کے کافرانہ اور آئینی نظام کی لڑائی کوئی وکیل ہی لڑ سکتا تھا اور جناح نے کافرانہ نظام میں ایک دیانتدار مسلمانوں کے وکیل کے طور پر کام کیا۔ اور ہمیں "لنگڑا لولا" پاکستان دے دیا تھا جو اینگلو امریکن بلاک کی بھی ضرورت تھی۔ کہ یہاں بھی کمال ترکی کی طرح محمد علی جناح کو بھی قوم کا باپ بناکر ایک "بے دین" اسلام کا نفاذ ہو۔ اور اب ضرورت یہ ہے کہ ہم یہاں رسول عربیؐ کے اسلام کا نفاذ کریں۔ جناح صاحب کی بھی مغفرت کی دعا کریں۔ وہ قوم کا باپ نہیں اور نہ فاطمہ جناح مادر ملت ہے۔ ہمارے روحانی باپ حضور اکرمؐ ہیں۔

نوٹ:۔ (جناب ریٹائرڈ میجر امیر افضل خان صاحب کے مبسوط خط سے چند اقتباسات)

✠

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

"الحق" کے خصوصی شمارہ کے بارے میں اپنے تاثرات کے اظہار کا ارادہ پہلے بھی تھا اب بھی ہے۔ سردست ایک بات یہ کہہ سکتا ہوں کہ ابھی تک جتنے دینی رسائل کے نمبر نظر سے گزرے ہیں ان میں آپ کا شمارہ ہر لحاظ سے جاذب نظر رہا ہے۔ حال ہی میں آپ نے جو خصوصی شمارے کے "حقانیہ کا پچاس سالہ نمبر" اور "طالبان نمبر" نکالے ہیں وہ معمول کے پرچہ جات تھے۔ لیکن یہ شمارہ اپنی ضخامت، ٹائٹل، مضامین کے معیار اور تحقیق کے حوالے سے ایک یادگار اشاعت بن گیا ہے۔ تمام مضامین عوام کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں، لیکن مدیر اعلیٰ، ڈاکٹر ابو سلمان اور ضیاء الدین لاہوری کے مضامین فکر انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ تنقیدی پہلو رکھتے ہیں۔ سرسید کے دینی افکار سے قطع نظر آپ کی سیاسی اور تعلیمی خدمات سے کسی طور پر انکار ممکن نہیں ہے۔ آپ یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ ان کی تحریک کے نتیجے میں مولانا ظفر علی خان جیسے لوگوں کی ایک کھیپ تیار ہوئی۔ بانی دیوبند حضرت نانوتوی اور جناب سرسید ہم عصر تھے۔ دونوں نے تعلیم کے میدان میں مختلف اسلوب اختیار کیے، لیکن دونوں کی منزل ایک تھی۔ دونوں میں ایک علمی ربط موجود

تھا۔ دیوبند اور علی گڑھ میں ایک موازنہ بہت سی بدگمانیوں کو دور کرسکتا ہے۔ دوسرا اہم مقالہ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری کا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے " بانی پاکستان" شیعہ تھے اور اپنے عقیدے میں راسخ اور مخلص تھے۔ وہ پاکستان کو ایک شیعہ اسٹیٹ بنانا چاہتے تھے جبکہ ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ تو انہوں نے پاکستان کو لادینی، جمہوری اور سیکولر اسٹیٹ بنانے کی کوشش کی۔ راسخ اور مخلص کا مطلب یہ ہے کہ وہ غالی شیعہ تھے، لیکن یہ بات محقق نہیں ہے بہرحال میں اس بحث کو ادھوری چھوڑتے ہوئے فقط اتنا عرض کروں گا کہ یہ تحقیق تو اچھی ہے لیکن اس کے نتائج واثرات اچھے نہیں ہوسکے۔ اور اب وہ زمانہ ہے جب چیزوں کو ان کے اثرات سے جانا جاتا ہے۔ راشد صاحب یہ بات یاد رکھیں کہ چھپی ہوئی دو لائنیں بھی بڑی اہم ہوتی ہیں اور جو لائن آپ کے پرچہ میں شائع ہوتی ہیں وہ آپ کا موقف تصور ہونگی۔ یہ جملہ ایک روایتی بات سے زیادہ کچھ نہیں کہ " خاص نمبر میں شامل مضامین کے ساتھ ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے " میں ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری کی قدر کرتا ہوں لیکن غور فرمائیں کہ کیا ان کی تحقیق ہمارے لیے حوالہ ہے ؟ آپ کے قلم میں خلوص ہے، جوش ہے، تھوڑا سا توقف بھی کرلیا کریں۔ ہر تحریر کو پڑھ کر اس کا تاثر نوٹ کیا کریں۔

انشاء اللہ عندالملاقات اس مضمون پر کچھ اور گفتگو ہوگی۔ باقی سب خیریت ہے۔ آپ سے ایک علمی سا کام بھی ہے۔ امید ہے مایوس نہیں کریں گے۔۔ اگر مناسب اور ضرورت سمجھیں تو جواب سے سرفراز فرمائیں۔

پاکستان زندہ باد" قائداعظم زندہ باد، علامہ اقبال زندہ باد، عالم اسلام زندہ باد۔

والسلام : محمد یونس میو (سیالکوٹ)

✠

جناب ابو سلمان شاہجہان پوری کا مکتوب گرامی ملا۔ انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ مجھے ابھی تک خصوصی شمارہ نہیں ملا۔ لیکن پھر بھی انہوں نے " میں جانتا ہوں وہ جو لکھیں گے جواب میں " کے مصداق بعض متوقع تنقیدات کا اندازہ کرکے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ اور نوائے وقت ملتان میں اسی خصوصی شمارہ کے ایک مضمون نگار نے ڈاکٹر صاحب کے مقالہ کو خصوصی طور پر تنقید کا نشانہ بنایا ہے، لیکن انہوں نے بھی اپنے مضمون کے ساتھ بلحاظ تعصب انصاف نہیں کیا۔ (ادارہ)

برادر عزیز ومکرم سلمہ

آپ کا خط مل گیا۔ اندازہ ہوا کہ " الحق" کا نمبر شائع ہوگیا اور میرے مقالے پر رد عمل سامنے آنا شروع ہوگیا۔ یہ بات خلاف توقع نہیں۔ اگر کسی اور رسالے یا اخبار میں کوئی رد عمل آئے تو اس سے ضرور مطلع کیجیے گا اور اگر آپ کے نام خطوط میں رد عمل کا اظہار ہو تو اس کے عکس ونقل

سے استفادے کا موقع دیجئے گا۔ ابھی کئی پہلو تشنۂ بحث ہیں۔ ان پر بحث ہونی چاہیئے۔
تاریخ، معاشرت اور بانی پاکستان کی زندگی اور عقائد کے ان پہلوؤں پر نظر رہنی چاہئیے۔

۱)۔ میرے مقالے میں کوئی لفظ یا جملہ طرزکلام تہذیب وشرافت سے عاری نہیں۔ بانی پاکستان کا تذکرہ احترام سے کیا گیا ہے۔ اور جو بات کہی گئی ہے وہ دلائل کی پختگی اور حوالہ جات کی صراحت کے ساتھ کہی گئی ہے۔

۲)۔ ہمارا معاشرہ مختلف مذاہب وفرق کے افراد اور اقوام پر مشتمل ہے اور جب کسی کے بارے میں مذہب وعقیدے کے حوالے سے کوئی بات کہی جائے گی، یہی کہا جائے گا کہ فلاں شیعہ، فلاں قادیانی، فلاں مودودی، فلاں دیوبندی، فلاں بریلوی یا اہل حدیث ہے۔

۳)۔ کسی شیعہ کے لیے شیعہ ہونا اس کے نزدیک اتنا ہی قابل فخر ہے جتنا ایک مسلمان کے لیے مسلمان ہونا قابل فخر ہوسکتا ہے۔ یہ بات اگر کوئی طنزاً بھی کہے تو اعتراف کرنا چاہیے کہ ہاں! وہ واقعی شیعہ یا مسلمان ہے۔ مذہبی حوالہ ہمیشہ سنجیدگی سے بیان کی شرافت اور استدلال کی پختگی کا متقاضی ہوتا ہے۔ طنز واستہزا اور تحقیر کا محل نہیں۔

۴)۔ بانی پاکستان اپنے خاندان، پیدائش، شادی، وفات، تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ عرض یہ کہ اپنی زندگی اور تمام رسومات میں بالاعلان اور بالاعمال، آغاخانی، اسمعیلی تھے۔ اور مسلمان خواہ ان کی اس حیثیت پر اور ان کے عقیدے پر چیں بجبیں ہوں لیکن خود ان کے لیے یہ بات قابل فخر سمجھی گئی اور اسی کا اظہار کیا گیا ہے۔

۵)۔ اسلام کا تعلق نہ ان کی زندگی سے تھا، اور نہ تحریک پاکستان میں اسلام ان کا نصب العین تھا

۶)۔ بانی پاکستان ایک بڑی سیاسی شخصیت کے مالک تھے۔ لیکن وہ صرف مسلمانوں کے سیاسی وکیل تھے۔ ان کے لئے مسلمانوں کے احساسات، جذبات اور عقائدمیں شریک ہونا ہرگز ضروری نہیں تھا۔ ان کاکام تین جون ۱۹۴۷ء کو ختم ہوگیا تھا۔ اس کے بعد اگر انہوں نے اپنی حیثیت کے بارے میں کوئی فیصلہ ازخود کرلیا تھا اور مسلمانوں سے اس کے بارے میں استصواب نہیں کیا گیا تھا۔ تو اس کے لیے کوئی اخلاقی اور قانونی جواز نہیں تھا۔

۷)۔ اگر کہا جائے کہ وہ فیصلہ مسلم لیگ (مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت) کا تھا تو یہ واقعہ ہی غلط ہے۔ بالفرض بشرط بیان صحت مسلم لیگ کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ اسلامی ریاست یا کسی منصب یا مناصب کے بارے میں ایسافیصلہ کرے۔ یہ فیصلہ کرنا مسلمانوں کااور صرف مسلمان جماعتوں کا حق تھا۔ مسلم لیگ ہندوستان کی ایک سیکولر قومی جماعت تھی جس میں یکسانی مفاد اور مشترک سیاسی

خیالات رکھنے والے مسلمانوں کے علاوہ شیعہ ، اسماعیلی ، قادیانی ، آغاخانی ، بہائی ، لامذہب ، ملحد اور دہریے سبھی شامل تھے ۔ بالکل اسی طرح جس طرح کانگریس میں مختلف مذاہب اور اقوام کے لوگ شامل تھے ۔

۸) پاکستان کی بنا کا شرف بھی ان کی ذات سے کچھ زیادہ ہے ۔ ان کی یہ بات کہ پاکستان انہوں نے اور ان کے ٹائپ رائیٹر نے بنایا کو کسی لیگی نے بھی تسلیم نہیں کیا ۔ مسلمان عوام کی تائید وحمایت اور انکی قوت کی نفی تاریخ اور حقیقت کے خلاف ہے ۔ یہ ایک خاص عقیدہ کا پروپیگنڈہ اور ان کی مصلحت ہے ۔

یہ تاریخ اور مسٹر محمد علی جناح کے سوانح حیات کے مسلمات ہیں ۔ ہر انصاف پسند اور صاحب قلم کا خواہ ان کا تعلق کسی عقیدہ اور مذہب سے ہو ان کا اعتراف کرنا چاہیئے ۔

اگر بحث وافادہ وفکروتاریخ کا سلسلہ دراز ہو تو ان مسلمات سے انحراف نہ ہونا چاہیئے ۔

(ابو سلمان شاہجہان پوری)

❁

السلام علیکم !

" گولڈن جوبلی " کے موقع پر " الحق " کا خاص نمبر شائع کرنے پر آپ اور آپکے جملہ معاونین صد مبارکباد کے مستحق ہیں ۔ ایک تو عین موقع پر اس قدر ضخیم نمبر تیار کرنا ، پھر اس کیلئے دوردراز کے اہل قلم حضرات سے رابطہ قائم کرنا اور موضوع سے متعلق مضامین اس سے حاصل کرنا واقعی نہایت مشقت طلب کام ہے ۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی اس سعی کو قبول فرمائے ۔ کیونکہ اس سے ان لوگوں کے سامنے اصل پس منظر سامنے آگیا ہے ۔ جو لوگ اس تاریخی واقعے سے بے خبر تھے ، ان کو کیا معلوم کے اس گلستان کی بہار کیسی تھی ؟ ۔

جناب مولانا ابراہیم فانی صاحب اور جناب افضل رضا صاحب کا مضمون تو میں نے پہلی ہی نشست میں پڑھا ۔ یہ معلوم ہوکر بے حد خوشی ہوئی کہ ہمارے فاضل دوست فانی صاحب شعر کے اسرارورموز سے واقفیت کے ساتھ ملکی تاریخ پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں ۔ انکے مضمون سے وہ وہ منتشر کڑیاں ذہن میں آپس میں مربوط ہوگئی ہیں ، جو ہم ادھرادھر سے ایک ایک کرکے سنتے چلے آئے تھے ۔ آپ کا مضمون " ذوق پرواز " بھی کسی سے رسالہ مستعار لیکر شوق وذوق سے پڑھتا ہوں البتہ بعض اشعار مکرر دیکھ کر غنی کاشمیری کا شعر یاد آجاتا ہے :

درمکرر بستن مضمون رنگین لطف نیست — کے دہدر نگ ارکسے بندد حنائے بستہ را

بہرحال اس نو عمری میں اتنا جامع مضمون تیار کرنا مستقبل کیلئے حوصلہ افزائی کی بات ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ اپنے والد ماجد اور رئیس الشعراء مولانا ابراہیم فانی صاحب سے سلام عرض کریں۔ فقط والسلام : محمد ولی درویش استاد جامعۃ العلوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

☩

السلام علیکم!

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔

"الحق" کا تازہ شمارہ "پاکستان نمبر" ملا پڑھ کر عظمت رفتہ کی یاد تازہ ہوئی۔ آپ نے یہ نمبر شائع کر کے علماء حق کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔ اور یہ بھی مسئلہ ہے کہ فرض کفایہ کا اجر فرض عین سے زیادہ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "الحق" کا یہ شمارہ ملکی سطح پر ایک مکمل تقریب رونمائی چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فیضان مدنی کو میزاب حقانی سے جاری فرماویں۔ (آمین) اور انشاء اللہ یہ فیضان جاری ہے۔ "الحق" کے شمارہ میں آپکا اداریہ، فانی صاحب کا مضمون، عباسی صاحب اور ضیاء الدین صاحب خاص کر ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری صاحب کا مضمون جو ہے وہ سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے، اور کیوں نہ ہو ڈاکٹر صاحب تو مولانا آزادؒ مرحوم کے فکر و نظر کے بہترین شارح ہیں۔ اس شمارہ کی اشاعت پورے پاکستان میں انتہائی ضروری ہے۔ استاذ محترم مولانا سمیع الحق صاحب کی پرانی تحریر اور آپکے چند مقامات پر مخصوص جملے وہ بھی حقیقت حال کی بہترین تصویر ہے۔ جہاں پچیس سال اور پچاس سال والی بات آپ نے لکھی ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے

قاضی عبدالکریم صاحب، حکیم محمد سعید صاحب والے مضامین بھی معیاری ہیں۔ لیکن واسطی کے مضمون سے صدمہ بھی پہنچا ہے ایسا ہوتا رہتا ہے۔ سر ظفر اللہ قادیانی کے خلاف جو تحریر فانی صاحب نے لکھی ہے اس سے انشاء اللہ ہمارے حضرت اقدس صدر صاحبؒ کی روح مبارک ضرور خوش ہوئی ہوگی۔ یہ نمبر مولانا .... صاحب کو ضرور بھیجدیں کیونکہ انہیں دیکھ کر یقیناً مولانا کو "خوشی" حاصل ہوگی، نیز اگر ہو سکے تو مسلم لیگ کے تمام صوبائی دفتروں کو بھی ایک ایک کاپی بھیجدیں میری سوچ کے مطابق اگر آج مولانا ابوالکلام آزادؒ مرحوم زندہ ہوتے تو آپکو ان حقائق کے شائع کرنے پر ضرور انعام دیتے۔ میری طرف سے فانی صاحب کو دعا سلام اور مبارک باد قبول ہو۔ باقی کوئی خاص بات نہیں کہ تحریر کرو۔ میری طرف سے سب کو دعا سلام اور مبارکباد دیدینا۔

فقط والسلام : مولانا قاری عبداللہ مدیر امام الہند لائبریری (بنوں) سرحد

☩

سلام مسنون ! امید ہے کہ جناب کے مزاج بخیر ہوں گے ۔ ماہنامہ " الحق" کا پاکستان نمبر موصول ہوا ۔ اس محنت شاقہ پر آپ کو اور ادارے کے جملہ ارکان کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں ۔ اس کاوش پر مخدوم ومکرم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی خدمت اقدس میں بھی میری طرف سے مبارک باد پیش فرمائیں ۔

حضرت والد صاحب کی طرف سے دعا اور مبارک باد قبول فرمائے ۔

(مولانا) احقر امجد خان جامعہ رحمانیہ لاہور

ماہ اگست کا شمارہ ایک صاحب سے پڑھنے کو ملا ۔ اول سے آخر تک پڑھ ڈالا دل باغ باغ ہوگیا مسرت اس بات سے ہوئی کہ چند ضمیرزندہ ایسے اب بھی موجود ہیں جو جو روظلم اور کذب دوشام کی سیاہ رات میں حق وصداقت اور جرات رندانہ کی قندیلیں روشن کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں ۔ پوری قوم جب کہ خر مستیوں میں مدہوش ماضی اور استقبال سے بے خبر بے فائدہ اور فضول جشن منانے میں مصروف تھی ۔

آپ کے " الحق" نے اس نا عاقبت اندیش قوم سے اور انجام گلستان سے بے خبر باغبانوں کو چمن پر گرنے کو تیار بجلیوں سے باخبر کرنے کی سعی کی ۔ اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ " الحق" اسی طرح سچائی کا علمبردار بنا رہے ۔ اور مصلحت کیشی ومداہنت کی پالیسی سے محفوظ رہے ۔ (آمین)

فقط والسلام عبدالوکیل حقانی مدرس جامعہ نعمانیہ لکی مروت

آپ کے دارالعلوم حقانیہ ماہنامہ " الحق " کا خصوصی نمبر (اگست) دیکھنے کا اتفاق ہوا ۔ ایسا دقیق اور پرمغز رسالہ اس سے قبل بہت کم ہی نکلا ہوگا ۔ تمام مضامین بہت محنت سے لکھے گئے ہیں اور آدرش پرستوں پر یقیناً لرزہ طاری ہوگیا ہوگا ۔ اور حقیقت پسندوں کو ان کی واقعی غذا مل گئی ہوگی ۔ چونکہ میں آپ کا مستقل خریدار تو نہیں ہوں مگر پھر بھی قاری ضرور ہوں ۔ لہذا دل نے چاہا کہ یہ خاص نمبر اپنے لیے بھی حاصل کروں تاکہ وقتاً فوقتاً دیکھ سکوں ۔

طبیعت سیر ہوتی ہی نہیں ہے　　اگر انور انہیں سوبار دیکھو

لہذا یہ رسالہ میرے نام وی پی کر بھیجیں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نیک کاموں کی جزادے اور مقاصد بلند اور حوصلے بلند ترکرے ۔ (آمین)　　شوکت محمود (بنوں سٹی)

مکتوب انگلستان

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی
(لنڈن)

برادر عالی میاں حافظ راشدالحق صاحب حفظ اللہ تعالیٰ
السلام علیکم !

میں بیحد مسرور ہوں کہ مجھے اپنے مخدوم ومحبوب استاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادگان کا ایسا کریمانہ التفات میسّر آیا، یعنی آپ کے اور آپ کے والدماجد مدظلہ کی طرف سے آنے والے تعزیت نامے جو گذشتہ ہفتے مجھے موصول ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اور میرے والد مرحوم کے بارے میں ظاہر کئے گئے حسن ظن اور تعلق کو ان کے لیے نافع بنائے۔(آمین یاالرحم الرحمین)

جی ہاں مجھے حسب معمول " الحق " کا وہ شمارہ بھی مل گیا ہے جس میں آپ کا تعزیتی شذرہ اور " تحدیث نعمت " پر تبصرہ ہے، اور دونوں ہی چیزیں بڑی محبت وعنایت پردال ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ اللہ والے لوگ جب اس جہان سے جاتے ہیں تو اپنے پیچھے محبت کا ایک ہنگامہ بپاکر کے جاتے ہیں، جو ہم جیسوں کیلئے بیحد تحریص کا باعث ہوتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ انکے نقش قدم کو اپنالیں۔ (باللہ التوفیق) آپ نے فرمائش کی ہے کہ دیار فرنگ کی کوئی رپورٹ نذر " الحق " کروں۔ آپکی فرمائش سرآنکھوں پر کہ اس کی تعمیل کرکے گویا میں اپنے مخدوم ومحبوب استاذ علیہ الرحمۃ کی روح کو خوش کروں گا۔ آپکے برطانیہ میں ہونے کی خبر جنگ میں پڑھی تھی مگر لندن کے دوردراز کی بات تھی اور جن لوگوں کی طرف سے تھی وہ میرے لئے متعارف نہ تھے، ورنہ خبر پڑھ کر میرا بھی جی چاہا تھا کہ مخدوم زادے کی زیارت ہوتی۔

حافظ محمد نسیم حقانی
ناظم نشرواشاعت تحریک عمل کلاچی

تحریک عمل بنام وزیر اعظم پاکستان

یوں بھی نواز حکومت اب ملک کے تمام خیروشر کا ذمہ دار ہے کیونکہ اسے دوتہائی اکثریت حاصل ہے۔ اس کے ساتھ وہ خود بھی فخریہ طور پر بار بار یہ اعلان کرتا رہا ہے کہ ہم کو آئین میں ترمیم کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ ۲ جولائی ۱۹۹۷ء کے اخبارات میں شہ سرخیوں سے یہ خبر چھپ چکی ہے جو کہ بہ الفاظ "خبریں" اسلام آباد تاریخ مذکورہ یہ ہے۔

"نواز شریف نے آئین پر نظرثانی کا اعلان کردیا"

اور اس سے پہلی کی سطر میں آئین کے تضادات اور جمہوریت سے متصادم قوانین کو ختم کیا جائیگا کیا جمہوریت سے متصادم قوانین کو ختم کرنے کے اعلان پر فخر کرنیوالے حکمران کو یہ معلوم نہیں کہ اسی آئین میں اسلام سے متصادم قوانین بھی پائے جاتے ہیں۔ کیا دوتہائی اکثریت پر نازاں بادشاہ وقت کو یہ معلوم نہیں کہ اسی آئین میں ۸۵ء سے قرارداد مقاصد کا دستور کا جزو بنایا گیا ہے۔
کیا اکثریت کے نشہ سے مخمور وزیر اعظم یہ نہیں جانتا کہ قرارداد مقاصد میں حاکمیت اعلیٰ اب بطور جزو دستور اللہ احکم الحاکمین کو حاصل ہے یعنی آخری فیصلہ اب قرآن وسنت اور اجماع امت کا تسلیم کیا گیا ہے۔ نہ سادہ اکثریت کا، نہ دوتہائی اکثریت کا بلکہ پوری اسمبلی کا متفقہ فیصلہ کا اور پھر کیا ملک کے اسے واحد حکمران کو یہ معلوم نہیں کہ حاکم اعلیٰ رب العالمین کے نزدیک بمطابق آیت کریمہ "لاتتخذوبطانۃ" اور حدیث پاک "لاتستضیٔوابناء المشرکین" اور اجماع امت کے ایسے ملک میں جسکا حاکم اعلی رب العالمین کو تسلیم کیا گیا ہو کوئی غیر مسلم اس کی بااختیار اسمبلی کا رکن نہیں بن سکتا۔ اور کیا ہمارے ملک کے وزیر اعظم کو یہ معلوم نہیں کہ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اور کیا بحیثیت ایک مسلم لیگی کے یہ نہیں جانتا کہ اس ملک کا نظریہ اسلام اور "لاالہ الا اللہ" ہے اور کیا اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ کافرانہ نظریہ رکھنے والے ملک بھی دوسرے نظریہ رکھنے والے ملک بھی دوسرے نظریہ رکھنے والے افراد کو اپنی اسمبلیوں کا ممبر ہرگز منتخب ہونا نہیں برداشت کرتے۔ تو پھر جمہوریت

سے متصادم قوانین کو ختم کرنے کا کسی کو خوش کرنے کی خاطر کھلا اعلان کرنے والے کو اس ملک کے حاکم اعلیٰ رب العالمین اور احکم الحاکمین کو خوش کرنے کا ذرہ بھی خیال نہ آیا کہ اسلام سے متصادم قوانین کا بھی خاتمہ کردیا جاوے گا اس پر ہم شاعر مشرق کا یہ پیغام یاد دلانے کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ

بتوں سے تم کو امیدیں خدا سے نومیدی   مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

یاد رہے جب تک تم خدا سے صلح نہیں کروگے سینکڑوں نہیں ہزاروں لوگوں کو دہشت گردی اور فرقہ واریت کے نام سے بدنام کرکے گرفتار کرتے رہو۔ تمھارا ملک فتنہ وفساد کا گہوارہ ہی رہے گا۔ نہ بھوک ختم ہوگی اور نہ ہی قرضے اترینگے۔

مولانا عبدالوہاب حقانی

دارالعلوم کے شب و روز

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی دورہ یورپ سے واپسی :-

حضرت مہتمم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مورخہ ۲۴ اگست کو یورپ کے ایک ماہ کے دورہ سے واپس وطن تشریف لائے ۔ آپ بعض احباب اور تلامذہ اور جمعیت علماء اسلام کے کارکنوں کے دیرینہ اور پرزور اصرار پر وہاں جانے کیلئے آمادہ ہوئے تھے ۔ جن ممالک کا آپ نے دورہ کیا ان میں برطانیہ، فرانس، ہالینڈ اور اسپین شامل ہیں ۔ برطانیہ میں آپ نے ریڈیو بی بی سی کو ایک انٹرویو بھی دیا جو بی بی سی پشتو سروس سے نشر ہوا ۔ ان ممالک میں مختلف مقامات پر آپ کو استقبالیہ دیا گیا اور وہاں کے مسلمانوں نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے آپکی تقاریر سماعت کیں مسلمان ممالک میں جہاں جہاں مسلمان ہیں دارالعلوم حقانیہ اور حضرت الشیخ مولانا عبدالحق صاحبؒ قدس سرہ کے مداحوں اور عقیدت کیشوں کی ایک بڑی تعداد ہے ۔ دارالعلوم کے فضلاء اور حضرت الشیخؒ کے متسبین الحمدللہ یورپ کے ہر ملک میں موجود ہیں ۔ اور اپنے علم و عمل سے دین متین کی بھرپور خدمت اور اشاعت میں مصروف ہیں ۔ انہوں نے ہر جگہ حضرت مولانا کو خوش آمدید کہا اور ان کی آمد کو اپنی خوش بختی قرار دیا ۔ آپ دنیا کے سب سے بڑے عبرت کدے اسپین بھی گئے اور مسلمانوں کے عظمت رفتہ کی عظیم ترین نشانی " مسجد قرطبہ" کی بھی زیارت کی ۔ اور وہاں نماز بھی پڑھی ۔ آپ کے دورے کے تاثرات پر مبنی ایک مفصل مضمون اگلے شمارہ میں شائع کیا جائیگا (انشاء اللہ)

ششماہی امتحان کا انعقاد :-

گذشتہ ماہ دارالعلوم کے ششماہی امتحانات منعقد ہوئے ۔ اس مرتبہ دارالعلوم کے طلباء کو ایک مہینہ افغانستان کے جہاد کیلئے رخصت دیئے جانے کے باعث سہ ماہی امتحان نہیں ہوسکا تھا ۔ لہذا مجلس شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ ششماہی امتحان اپنی مدت سے قبل منعقد کیا جائے ۔ امتحان " ایوان شریعت" کے نئے وسیع ہال میں لیا گیا دارالعلوم کے تمام طلباء بیک وقت ایک ہی مرتبہ پہلی دفعہ اس نئے ہال میں انہوں نے امتحان دیا ۔ اور باقاعدہ وفاق المدارس العربیہ کے امتحانات کے طرز

پر ہر درجے سے یہ رول نمبر کارڈ مختلف رنگوں میں درجے کے حساب سے بنوائے گئے تھے۔ امتحانات ۴ دن جاری رہے۔

الحق" دارالمطالعہ کا افتتاح

۲۷ اگست کو دارالعلوم میں موتمرالمصنفین و ادارہ " الحق " کے زیراتنظام جدید دارالمطالعہ کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی عرصہ سے خواہش تھی کہ طلبہ کو نصابی کتب کے علاوہ فارغ اوقات میں دیگر موضوعات پر غیرنصابی کتب، رسائل اور اخبارات کا مطالعہ بھی کرنا چاہیے تاکہ عصری تقاضوں، علوم وافکار، اسلامیت و مغربیت، تقابل ادیان، جدید سائنس وفلسفہ اور سیاست حاضرہ سے ان کو مکمل آگاہی ہو۔ اس مقصد کیلئے عرصہ سے دارالعلوم میں طلباء کیلئے ایک دارالمطالعہ کے قیام کی تجویز زیر غور تھی۔ الحمدللہ اب یہ منزل آپہنچی۔ ۲۷ اگست بروز بدھ ۱۹۹۷ء کو دارالمطالعہ کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی۔ افتتاحی تقریر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے کی۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے طلباء کو صرف درسی کتب تک محدود نہیں رہنا چاہئیے بلکہ وسیع مطالعہ، عصرحاضر کے مسائل کا علم اور انقلابات عالم سے باخبر ہونا بھی ضروری ہے۔ الحمدللہ برصغیر میں اس وقت بہت سارے ادارے ہیں جو بہت قیمتی تحقیقی اور علمی رسائل وجرائد شائع کر رہے ہیں۔ مثلاً " الحق" ، البلاغ، الخیر، البنیات، معارف، تعمیر حیات اور دارالعلوم دیوبند کے رسالے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح اخبارات بھی اہم ہیں جس میں دنیا کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح عربی کے بھی بہت زیادہ اخبارات ورسائل شائع ہوتے ہیں۔ ہمارے طلباء چونکہ ان کا مطالعہ نہیں کرتے اس وجہ سے عربی اخبارات ورسائل اور ان کی اصطلاحات سے بےخبر رہ جاتے ہیں تو یہ علم کا ایک ضروری شعبہ ہے۔ معاشی، اقتصادی، سائنسی اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جو تبدیلیاں وتغیرات رونما ہورہی ہیں ان سے کیسے نمٹا جائے؟ اس کا ہمیں کوئی علم نہیں ہوتا۔ ہمیں سرے سے مسائل ہی معلوم نہیں ہوتے اس کا حل تو دور کی بات ہے۔ اب مثلاً کلون ٹیکنالوجی کا مسئلہ ہے کہ بعض سائنس دان مرد وعورت کے ملاپ کے بغیر انسان بنانا چاہتے ہیں۔ آج کل پوری دنیا میں یہ مسئلہ زیر بحث ہے۔ سویڈن کے ایک سائنسدان ڈاکٹر ولمٹ نے تجربہ کرکے ایک بھیڑ اس طرح پیدا کرلی ہے۔ اب وہ اس فکر میں ہیں کہ اسی طرح انسان بھی مستقبل میں بنایا جائے۔ تو اس میں مسئلہ یہ ہے کہ یہ انسان اپنے اصل کے بعینہ مشابہ ہوگا۔ اس کی شکل وصورت اس کے عادات واطوار میں رتی بھر فرق نہیں ہوگا۔ اب اس سے بہت سارے مسائل

پیدا ہونگے ۔ وراثت کا مسئلہ ، نسب کا مسئلہ ،وغیرہ وغیرہ ۔ اس سے عائلی زندگی یکسر تباہ ہوجائے گی اور مجرم اسکو انتہائی خطرناک مقاصد کیلئے استعمال کرسکے گے ۔ تو پوری دنیا میں آج یہ مسئلہ زیر بحث ہے ۔ یورپ اور امریکہ نے اس عمل کلوننگ پر پابندی لگادی ہے ۔ پچھلے دنوں سعودی عرب میں اسلامی تحقیقی مجلس " المجمع" کا ایک ہفتہ تک اس مسئلہ پر بحث و غور کیلئے اجلاس ہوا ۔ الحمدللہ ماہنامہ " الحق" نے بھی برصغیر میں اس اہم موضوع پر سب سے زیادہ تحقیقی مضامین شائع کئے ہیں لیکن شاید آپ میں سے بہت کم حضرات کو اس مسئلہ کا علم ہوگا ۔ کیونکہ آپ مطالعہ نہیں کرتے ۔ انشاء اللہ یہ دارالمطالعہ آپ کو یہ سہولت فراہم کرے گا ۔ میرا کافی عرصہ سے دارالمطالعہ قائم رکھنے کا ارادہ تھا لیکن اب حافظ راشدالحق اور جناب فانی صاحب نے اس کا باقاعدہ آغاز کردیا ہے اور بہت بڑی کمی پوری کردی ہے ۔ آپ اخبارات کا مطالعہ بھی کریں لیکن صرف ضرورت کی حد تک آج کل اخبارات اور ان میگزینوں نے چند ٹکوں کی خاطر نوجوان نسل کا بیڑہ غرق کردیا ہے ۔ یہ زیادہ تر عریاں تصاویر ، فلمیں اور کرکٹ وغیرہ سے بھرے ہوتے ہیں ۔ اخبارات کا مطالعہ محدود کریں

تقریب میں شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ المدنی نے اس موضوع پر طلباء سے ایک مختصر اور پرمغز خطاب فرمایا ۔ جس میں مطالعہ کی افادیت وضرورت ، دورجدید کے فتنوں اور مسائل کیلئے بھرپور تیاری ، فلسفہ جدید سے مکمل آگاہی ، مغرب اور صیہونیت کا اسلام کے خلاف نت نئے سازشوں و ریشہ دوانیوں اور استشراق جدید کا کماحقہ مقابلہ کرنے کیلئے طلباء کو ان کے اصلی مآخذ تک رسائی اور غیر ملکی زبانوں کی تحصیل پر زور دیا ۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم جس طرح بخاری اور ترمذی شریف کے درس وتدریس میں اللہ تعالیٰ سے بھرپور ثواب اور اجر کی امید رکھتے ہیں اسی طرح خدمت اسلام اور دفاع دین کی غرض سے فلسفہ و منطق قدیم اور علوم جدید کی تحصیل میں بھی اسی اجر کی امید رکھتے ہیں ۔ انہوں نے تمام دینی مدارس کی ارباب اہتمام و انتظام پر زور دیا کہ وہ بھی اپنے مدارس میں اسی طرح کا نظام قائم کریں ۔ تاکہ اپنے اکابرین کے علوم وافکار اور جدید تقاضوں سے طلباء دین باخبر رہیں ۔ انہوں نے مدیرالحق مولاناحافظ راشدالحق اور مولانا ابراہیم فانی صاحب کے مساعی اور کوششوں کو دارالمطالعہ کے قیام کے متعلق بہت سراہا ۔ حضرت مولانا مغفوراللہ دامت برکاتہم نے مختصر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے اکابرین نے درس نظامی میں منطق اور فلسفہ کی کتابیں فرق باطلہ کے تعاقب اور ان پرردکی غرض سے داخل کی تھیں ۔ آج کل کے فتنوں کا مقابلہ کرنے کیلئے ان رسائل وجرائداور ان کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے ۔ حضرت مولانا مفتی سیف اللہ حقانی مدظلہ نے تجویز پیش کی کہ دارالمطالعہ کے زیراہتمام ایسے

خصوصی درسوں اور لیکچروں کا اہتمام کیا جائے جن میں مختلف مذاہب اور فرق باطلہ پر خصوصی معلومات فراہم کی جائیں ۔ انہوں نے بھی جناب مولانا حافظ راشدالحق اور فانی صاحب کو بھرپور انداز میں خراج تحسین پیش کیا۔ جنہوں نے طلباء کی ذہنی ، ابیاری کیلئے دارالمطالعہ کی تحریک چلائی۔

حضرت مولانا عبدالحلیم عرف دیر بابا مدظلہ نے فرمایا کہ ماہنامہ " الحق" نے خصوصی شمارہ نکال کر واقعی کلمہ حق بلند کردیا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ اس شمارے میں مجھے خصوصیت سے تین مضامین بہت پسند آئے ہیں ۔ (۱) . راشدالحق کا اداریہ (۲) . حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا مضمون مولانا حسین احمد مدنی کے اندیشے اور (۳) . ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری کا مضمون پاکستان اور بانی پاکستان ۔ دارالمطالعہ میں اکابرین کی کتابیں ، پاکستان اور بیرون ممالک سے شائع ہونے والے اسلامی رسائل وجرائد اور مختلف علمی موضوعات پر کافی اچھی کتابیں موجود ہیں ۔اس کے علاوہ روزانہ کے اخبارات بھی رکھے جاتے ہیں ۔ تقریب میں اساتذہ اور طلباء کی بڑی تعداد نے شرکت کی ۔ آخر میں مہمانوں کی تواضع چائے اور مٹھائی سے کی گئی۔

افغان حکومت کے مختلف وفود کی دارالعلوم آمد :۔

اس ماہ افغان حکومت کے کئی اعلیٰ سطحی وفود دارالعلوم تشریف لاتے رہے ۔ جس میں تحریک طالبان کے بڑے بڑے لیڈر، کمانڈر اور وزراء شامل تھے ۔ ان میں اکثریت کا تعلق دارالعلوم حقانیہ سے ہے ۔ انہوں نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ اور اساتذہ سے ملاقاتیں کیں اور عصر کی نماز کے بعد طلباء سے مختصر خطاب فرمایا اور افغانستان کی تازہ صورتحال اور طالبان کی جنگی مہمات پر روشنی ڈالی ۔ گذشتہ دنوں دارالعلوم حقانیہ سے حضرت مہتمم صاحب نے جناب امیرالمومنین کے نام ایک اہم پیغام جناب مولانا سید یوسف شاہ صاحب کے ذریعے بھیجا ۔ امیرالمومنین نے دارالعلوم کے وفد کے کے ساتھ تفصیلی ملاقات کی اور دارالعلوم کی معاونت پر شکریہ ادا کیا ۔اور حضرت مہتمم صاحب کی کوششوں کو سراہا۔

مختلف سیاستدانوں کی دارالعلوم آمد :۔

گذشتہ ہفتے دارالعلوم میں حضرت مہتمم صاحب سے ملک کے مختلف لیڈرز بھی ملنے آئے ، جن میں مسلم لیگ کے نائب صدر ممبر قومی اسمبلی جناب اعجازالحق صاحب ، جناب مولانا فضل الرحمان صاحب ، جناب میجر عامر صاحب ، اور معروف صحافی جناب عرفان صدیقی صاحب بھی شامل تھے ۔ انہوں نے ملک کی مختلف سیاسی صورتحال پر بات چیت کی ۔ مہتمم صاحب نے خصوصاً مدارس کے متعلق حکومت کی معاندانہ پالیسی پر تفصیل کے ساتھ تبادلہ خیال کیا۔

Regd. No. P-90 Monthly "AL-HAQ"
Akora Khattak

پاکستان کے پچاس سال مکمل ہونے کی مناسبت سے تاریخی دستاویذات اور ناقابل تردید حقائق کا مرقع

ماہنامہ "الحق" دارالعلوم حقانیہ کا خصوصی شمارہ

پاکستان کے پچاس سال مکمل ہونے کے سلسلے میں برصغیر میں اسلامی اور دینی صحافت کا علمبردار جریدہ ماہنامہ "الحق" نے ایک تاریخی دستاویز کے طور پر خصوصی نمبر شائع کردیا ہے۔ جس میں ملک وملت کے چوٹی کے مقالہ نگار اور مضمون نویس حضرات نے حصہ لیا ہے۔ ان مقالہ نگاروں میں علماء کرام کی نگارشات دور حاضر کے مشہور محققین، پروفیسرز، سکالرز، ڈاکٹرز اور دیگر دینی وقومی درد رکھنے والے حضرات شامل ہیں۔ انشاء اللہ موضوعات کی آفاقیت اور اہمیت کے اعتبار سے "الحق" کا یہ خصوصی نمبر آپ کو علم اور تحقیق کے نئے گوشوں اور زاویوں سے متعارف کرائیگا۔

موضوعات

* پچاس سالہ روداد سفر ★ کیا پایا؟ کیا کھویا ★ پاکستان کی ضرورت کیوں؟
* مقصد تخلیق پاکستان سے مسلسل انحراف ★ کیا ملک میں مغربی جمہوریت کا تجربہ کامیاب رہا۔
* "گولڈن جوبلی" اور پاکستان ★ کیا واقعی سرسید دوقومی نظریہ کے بانی تھے؟
* تحریک آزادی وتحریک پاکستان میں علماء کا روشن کردار ★ نظریہ پاکستان اور بانی پاکستان
* آزادی کا مفہوم ★ ہمارے پچاس سالہ کارنامے ★ ملک تو بن گیا مگر قوم؟
* مسلسل ناکامیوں کی داستان الم ★ پاکستان میں جمہوریت کا مستقبل۔

اسی طرح دیگر معلومات افزا اور سنسنی خیز انکشافات اور تجزیے

دفتر ماہنامہ "الحق" دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

صفحات: 164 قیمت صرف =/35 روپے